سرورِ کائنات

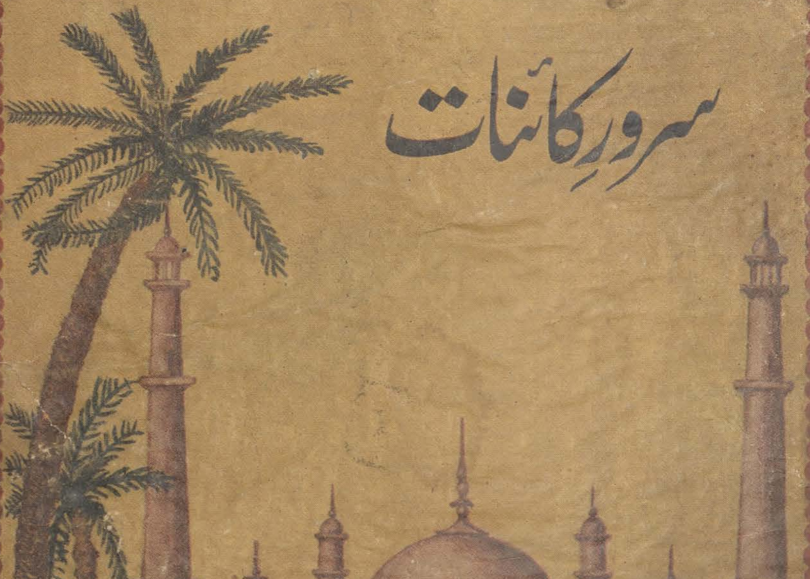

قومی کتب خانہ - لاہور

18/12/56

Salahuddin Nasik
(PRESS REPORTER)
2/514, Court Road - GUJRAT

14c

سرورِ کائنات

مصنفہ

دی رائٹ آنریبل سید امیر علی مرحوم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سرورِ کائنات

مصنفہ

دی رائٹ آنریبل سید امیر علی مرحوم

مترجمہ

منصور احمد مرحوم سابق چیف ایڈیٹر "ادبی دنیا" لاہور

قومی کتب خانہ لاہور

بارِ سوم ۱۹۴۴ء قیمت

اتحاد پریس ریل روڈ لاہور میں باہتمام شیخ امین الدین پرنٹر طبع ہو کر
شیخ محمد احسن پبلشر نے دفتر رسالہ ہدایت ریلوے روڈ لاہور سے
شائع کیا۔

جملہ حقوق بحق پبلشر محفوظ

سنہ ۱۹۴۴ء

قیمت ۶ بارِ سوم

دونوں جہاں کی رفعتیں ہیں تیرے انتظار میں
سرورِ کائنات کی پیروی اختیار کر!

(عبدالمجید بھٹی)

Director of Panchayats,
Punjab

رسولؐ کریم کے خط کا عکس

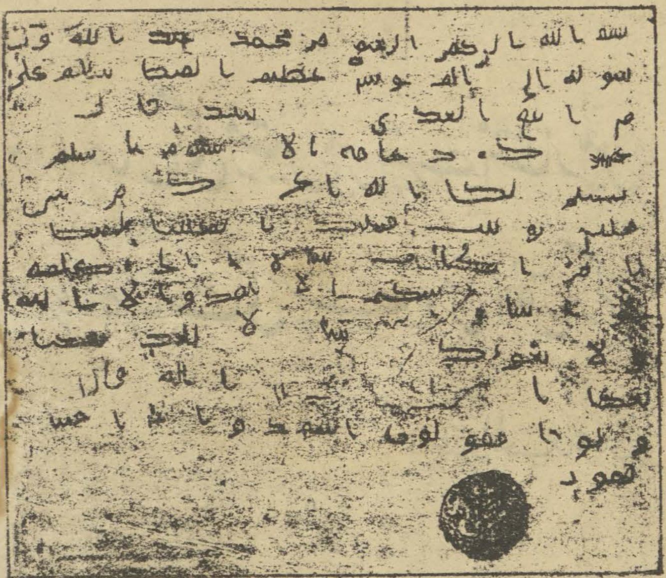

جو آپؐ نے دعوتِ اسلام کے سلسلہ میں مصر کے بادشاہ کو بھیجا تھا

فہرستِ مضامین

پہلا باب ۔ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ؛	صفحہ	۹
دُوسرا باب ۔ ہجرت ؛	"	۶۰
تیسرا باب ۔ رسول اللہؐ مدینے میں ؛	"	۶۹
چوتھا باب ۔ قریش اور یہود کی دشمنی ؛	"	۷۶
پانچواں باب ۔ یہودیوں اور عربوں کی دشمنی ؛	"	۸۸
چھٹا باب ۔ رسول اللہؐ کی رحمدلی ؛	"	۱۰۸
ساتواں باب ۔ اشاعتِ اسلام ؛	"	۱۱۷
آٹھواں باب ۔ عام الوفود ؛	"	۱۲۶
نواں باب ۔ تکمیلِ رسالت ؛	"	۱۳۴

تعارف

"سرورِ کائنات" مشہورِ عالم انگریزی کتاب "سپرٹ آف اسلام" مصنفہ آنریبل سیّد امیر علی مرحوم کے حصّہ اوّل کا ترجمہ ہے - اس حصّے میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم کے سوانح حیات مندرج ہیں - مرحوم منصور احمد سابق چیف ایڈیٹر "ادبی دُنیا" نے اس حصّہ کا انگریزی سے اُردو میں ترجمہ کیا اور اب قومی کتب خانہ ریلوے روڈ لاہور نے اس ترجمہ کو شائع کیا ہے - ترجمہ سلیس با محاورہ اور ہر قسم کے اغلاق سے مبرّا ہے - مگر باوجود اس کے اصل مطالب کے مطابق ہے - میری رائے میں یہ نفیس کتاب دُنیائے اسلام کے ہر فردِ بشر کے لئے موزوں و مناسب ہے ۔

محمد شفیع

پرنسپل اورینٹل کالج لاہور

دیباچہ

سید امیر علی مرحوم کی شہرۂ آفاق تصنیف "سپرٹ آف اسلام" کے دو حصے ہیں۔ پہلا حصہ سیرت النبیؐ پر مشتمل ہے اور دُوسرے حصے میں اسلام کی تعلیم اور اصُول و اعیان کے متعلق مضامین ہیں۔ مَیں نے اِن اَوراق میں پہلے حصے کا ترجمہ کیا ہے۔ فاضل مصنّف نے اس میں آنحضرتؐ کی زندگی پر ایک انسانِ کامل کی حیثیت سے روشنی ڈالی ہے۔ اور آپ کے کارناموں اور آپ کی تعلیم کو ایسے پُرجوش اور خوبصورت الفاظ میں بیان کیا ہے۔ کہ اس سے زیادہ مؤثر پیرایہ آج تک کسی دوسرے سیرت نگار کا قلم پیدا نہیں کر سکا۔ یہ سوانحعمری درحقیقت تاریخ ہے اسلام کی ایک عالمگیر مذہب کی حیثیت سے۔ جس میں اس کی ایک نہایت ہی قلیل مدت میں لاکھوں انسانوں کے قلب وضمیر پر قبضہ حاصل کر لینے کی کہانی ہے۔ اس میں دکھایا گیا ہے، کہ ظہورِ قدسی سے پہلے عرب کے افراد و اقوام کس پستی اور مصیبت میں گرفتار تھے۔ اور حضورِ سرورِ کائناتؐ نے کس طرح انہیں مادی اور روحانی دونوں حیثیتوں سے سربلند کیا۔ دُنیا کے اس بے نظیر انقلاب کی سرگزشت میں واقعات کے بیان کے ساتھ ساتھ غیر مُسلم معترضین کے اعتراضات کے جواب ایسے مدلّل اور آزادانہ پیرائے میں لکھے گئے ہیں کہ ہر معقول انسان کے دِل میں اُتر جاتے ہیں ⁂

جس بلاغت، برجستگی اور شگفتگی کا حامل سیّد امیر علی مرحوم کا طرزِ بیان ہے اُسے کماحقہٗ اُردو زبان میں منتقل کرنا کم از کم میرے بس کی بات نہیں ہیں نے اپنی سیدھی سادی زبان میں اُن کے الفاظ کا صحیح صحیح مفہوم ادا کر دیا ہے۔ اگر پڑھنے والوں کو اس سے زیادہ کوئی خوبی نظر آئے۔ تو اسے مرحوم کے حسنِ بیان کا فیضان سمجھنا چاہیے +

منصُور احمد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پہلا باب

محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

بَلَغَ الْعُلٰی بِکَمَالِہٖ　　کَشَفَ الدُّجٰی بِجَمَالِہٖ
حَسُنَتْ جَمِیْعُ خِصَالِہٖ　　صَلُّوْا عَلَیْہِ وَ اٰلِہٖ

یہ دو شعر جن کی خوبی کو ہم دوسرے الفاظ میں ادا کر ہی نہیں سکتے، اس انسان کے حسن سیرت اور علو اخلاق کے بیان سے شرمندہ ہیں جس کے حالات زندگی اور جس کی تعلیم کی نسبت ہم آئندہ صفحات میں کچھ لکھنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

سن عیسوی کی ساتویں صدی کا آغاز ہے۔ ایک متفکر اور خاموش طبیعت کا انسان جس کی عمر کا آفتاب اس وقت نصف النہار سے کچھ متجاوز ہو چکا ہوگا، عربی لبادہ کندھوں پر ڈالے اور طیلسان کو اپنے چہرے پر جھکائے اکثر مکہ کے بازاروں سے گزرتا ہے۔ اس کی رفتار کبھی دھیمی ہوتی ہے اور کبھی ذرا تیز۔ نہ وہ کسی گزرنے والے کی طرف متوجہ ہوتا ہے، اور نہ دنیا کی عیش و عشرت کے مناظر پر نظر کرتا ہے بلکہ وہ ایک گہری سوچ میں ڈوبا رہتا ہے۔ اس کے باوجود اگر اُسے کوئی معمولی سے معمولی انسان بھی سلام کرتا ہے تو وہ اس کا جواب دینے سے کبھی غافل نہیں ہوتا۔ اور ان چھوٹے چھوٹے بچوں سے محبت و شفقت کی دو باتیں کرنے سے بھی کبھی دریغ نہیں کرتا جو آ کر

اُس کے گرد جمع ہو جاتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں۔ الامین یہی ہے۔ اس نے اپنی زندگی ایسے بادیانت اور پُر وقار طریق سے گزاری ہے۔ اور اپنے خالق اور اُس کی مخلوق کے حقوق کے لئے اتنی کوشش کی ہے کہ اس کی قوم نے اُسے امین کا خطاب دے رکھا ہے۔ لیکن اب اس کی عجیب وغریب تعلیم کی وجہ سے اس کے شہر کے لوگ اس کی طرف بدگمانی کی نظروں سے دیکھنے لگے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ ایک مجنون خبطی ہے اور ایک دیوانہ انقلاب پرست ہے جو سوسائٹی کے قدیم امتیازات کو ہموار کر دینا چاہتا ہے، جو اُن کے پُرانے حقوق اُن سے چھیننا چاہتا ہے، اور جو اُن کے قدیم رسم ورواج اور قدیم دین ومذہب کو اُن سے چھڑانا چاہتا ہے۔

یہ وہ زمانہ تھا جب مکہ تمام عرب کے شہروں میں اپنی جائے وقوع اور اپنی تمدنی اور معاشری سرگرمیوں کی وجہ سے خاص اہمیت اور امتیاز رکھتا تھا۔ شہر ایک نشیب وادی میں شمال سے جنوب کی طرف پھیلتا ہوا مغرب کی جانب پہاڑیوں کے ایک سلسلے سے اور مشرق میں بھربھرے پتھر کی بلند چٹانوں سے گھرا ہوا تھا۔ اور اس کے مرکز میں کعبہ کی خوبصورت عمارت تھی۔ اپنی سیدھی اور صاف سڑکوں اپنے عالیشان مکانوں اور اپنے دارالندوہ کے ساتھ یہ شہر اُس وقت اپنے عروج وکمال اور اپنی طاقت وقوت کا ایک غیر معمولی مظاہرہ کر رہا تھا۔ کعبہ کی تولیت جو دراصل فرزندان اسمٰعیل علیہ السلام کا حق تھی، اہلِ بابل کے حملہ کی وجہ سے جرہمیوں کے ہاتھوں میں چلی گئی تھی۔ مذہبی اور دُنیاوی اقتدار کے اجتماع نے بنی جرہم کو یہ درجہ دے دیا تھا کہ اُن کے سردار "ملک" کا لقب اختیار کر چکے تھے۔ تیسری صدی کے اوائل میں جرہم ایک قحطانی قبیلہ کی یورش سے مغلوب ہو گئے۔ یہ قبیلہ بنی خزاعہ کے نام سے مشہور

تھا۔ اُنھوں نے یمن کے جنوب سے اُٹھ کر مکہ اور حجاز کے جنوبی علاقہ پر قبضہ کر لیا تھا۔ اسی عرصے میں آلِ اسمٰعیل جو بادشاہ بابل کے ہاتھوں بُری طرح پامال ہو چکے تھے آہستہ آہستہ پھر اپنی سابقہ قوت حاصل کر رہے تھے۔ عدنان حضرتِ اسمٰعیل کے خاندان کے ایک فرد تھے۔ ان کا زمانہ پہلی صدی قبل مسیح کے قریب قریب ہے۔ انہوں نے حضرتِ اسمٰعیل کی طرح ایک جرہمی سردار کی لڑکی سے شادی کی تھی۔ اور مکہ ہی میں مقیم ہو گئے تھے انہیں کے بیٹے معد حجاز اور نجد میں خاندانِ اسمٰعیل کے مورثِ اعلےٰ بنے۔ فہر جو معد کی اولاد تھے اور جن کا لقب قریش تھا، اُس قبیلہ کے باپ تھے، جس میں عرب کا شارع اور پیغمبر پیدا ہُوا۔ ان کا زمانہ تیسری صدی عیسوی ہے۔

حرمِ محترم کے تمام مناصب دو سَو سال سے کچھ زاید تک بنو خزاعہ کے ہاتھوں میں رہے اور اس عرصے میں وُہ تمام اُس بزرگی اور فضیلت کے مالک رہے، جو اس خدمت کی وجہ سے اُنہیں ملی تھی۔ لیکن بنو خزاعہ کے آخری سردار حُلیل کی وفات پر قصیؓ[۱] جو فہر کی اولاد میں سے تھے، اور جن کی شادی حُلیل کی بیٹی سے ہوئی تھی، خزاعہ کو مکّہ سے نکال کر اس تمام اقتدار پر متصرف ہو چکے تھے، جو دُنیاوی اور مذہبی حیثیت سے انہیں شہر میں حاصل تھا، اور اس طرح وہ حقیقی معنوں میں حجاز کے فرمانروا بن چکے تھے۔[۲]

قصی غالباً پانچویں صدی عیسوی کے وسط میں مکّہ پر قابض ہوئے اور اُنہوں نے فوراً شہر کا نظم و نسق ایک مرتب اور منظم طریقہ سے شروع کر دیا۔ قصی کے عہدِ حکومت سے

---

۱ قصی فہر کی ساتویں پشت میں تھے۔ ان کی پیدائش کا زمانہ ۴۰۰ء ہے۔ لفظ قریش "قرش" سے ماخوذ ہے۔ جس کے معنی ہیں "تجارت کرنا"۔ فہر اور اُن کی اولاد تجارت کیا کرتی تھی۔

۲ بنو خزاعہ کا ذکر اس کے بعد ہم اُس وقت سنتے ہیں جب قریش نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے خلاف ان سے امداد طلب کی تھی۔

پہلے قریش کے مختلف خاندان متفرق طور پر شہر کے مختلف حصّوں میں رہتے تھے۔ جو کعبہ سے کافی فاصلہ پر واقع تھے۔ کعبہ کا وہ حد سے بڑھا ہوا احترام جو اُن کے دلوں میں گھر کر چکا تھا، ان کو اس کے قرب وجوار میں کوئی جائے سکونت تعمیر کرنے سے روکتا تھا لیکن قومی معبد کی غیر محفوظ حالت کے خطرے کو محسوس کر کے قصی نے حکم دیا کہ قریش اس کے آس پاس آکر مقیم ہو جائیں مگر کعبہ کے چاروں طرف طواف کے لئے کافی جگہ چھوڑ دی گئی ۔ یہ قبیلے جنہیں یہاں زمین ملی انہایت مضبوط اور مستحکم قلعہ بندیوں میں رہتے تھے۔

قصی نے اپنے لئے ایک محل تعمیر کیا جس کا دروازہ کعبہ کی طرف کھلتا تھا۔ یہ محل دارالندوہ[1] کے نام سے مشہور تھا جہاں قصی کی صدارت میں ملکی معاملات پر بحث کی جاتی تھی اور ان کو عمل میں لانے کے لئے احکام جاری کئے جاتے تھے۔ اس دارالمشورہ میں چالیس سال سے کم عمر کا کوئی شخص شامل نہ ہو سکتا تھا۔ لیکن قصی کا خاندان اس شرط سے مستثنےٰ تھا۔ دارالندوہ ہی میں تمام شاہی مناصب بھی عطا ہوتے تھے۔ چنانچہ قریش جب کسی لڑائی میں شامل ہونے لگتے تو اسی جگہ اُن کو قصی کے ہاتھ سے جھنڈا ملتا تھا۔ قصی اپنے ہاتھوں سے ایک نیزے کے سرے پر سفید کپڑے کا ایک ٹکڑا ٹانک دیتے تھے اور پھر خود اسے قریش سوار کے حوالے کرتے تھے۔ یا اپنے کسی بیٹے کے ہاتھ بھیج دیتے تھے۔ یہ رسم عقد اللوا کہلاتی تھی۔ اور ابتدا سے لے کر جب قصی نے اس کا آغاز کیا، عرب حکومت کے اختتام تک قدیم دستور کے مطابق انجام دی جاتی رہی۔ قصی کے آئین و ضوابط میں سے ایک اور دستور بھی تھا، جو بڑی مدت تک قائم رہا۔ انہوں نے قریش پر اُن

---

[1] یہ عمارت جو بارہا تعمیر ہوئی، آخر کار عبدالملک ثانی کے عہد میں ایک مسجد کی شکل میں تبدیل کر دی گئی۔

غریب حجاج کے لئے جو ہر سال حرم کی زیارت کے لئے آتے تھے۔ خوراک کے فراہم کرنے کی ضرورت ظاہر کی، اور ان کو بحیثیت میزبان ہونے کے ان کے فرائض بتائے۔ اور ان سے چندہ کے طور پر ایک سالانہ رقم مقرر کرائی جسے افادہ کہتے تھے۔ اور جو ایام منا[1] میں غریب زائرینِ حرم کو کھانا کھلانے پر صرف کی جاتی تھی۔ قربانی کا دن اور اس سے اگلے دو دن ایام المنا کہلاتے تھے۔ یہ معمول اسلام کے بعد تک جاری رہا۔ خلفاء اور اُن کے بعد سلاطین کے نام سے حج کے موقعے پر ہر سال جو کھانا تقسیم ہُوا کرتا تھا اس کی ابتدا اسی افادہ سے ہوئی۔ ندوا، لوا اور افادہ کے الفاظ ان مناصب عظیمہ کو ظاہر کرتے ہیں جن کی بنیاد قصی نے ڈالی۔ یعنی (۱) قومی مجلس کا انعقاد اور اس کی صدارت۔ (۲) جھنڈا عطا کرنا جو فوج کی سرداری کا نشان ہوتا تھا اور (۳) حجاج کی خوراک کا انتظام کرنے کے لئے چندہ وصول کرنا۔ ان مناصب کے علاوہ مکہ اور اس کے گردونواح میں پانی کی بہم رسانی کا انتظام قصی کے ذمہ تھا (سقایہ)۔ کعبہ کی چابیوں کی امانت ان کے سپرد تھی۔ (حجابہ)+

اس طرح قصی نے تمام بڑے بڑے مذہبی، ملکی اور سیاسی مناصب اپنی ذات کے لئے مخصوص کر لئے تھے۔ وہی بادشاہ تھے، وہی قاضی تھے اور وہی سب سے بڑے مذہبی پیشوا تھے۔ ان کی حکومت اور طاقت نے جو بالکل شاہانہ انداز رکھتی تھی قبیلہ قریش کے نام کو چار چاند لگا دیئے۔ یہ متفقہ اور مسلّمہ طور پر ان کے سردار تھے اور انہیں کے زمانہ سے قریش نے بنو اسمٰعیل کے دوسرے قبائل میں ایک نمایاں امتیاز حاصل کیا+ قصی نے خوب عمر پائی اور ۴۸۰ء کے قریب فوت ہو گئے۔ اُنھوں نے اپنی زندگی

[1] منا مکہ کے نواح میں ایک مقام کا نام ہے +

ہی میں اپنے بڑے بیٹے عبدالدار کو اپنا جانشین نامزد کر دیا تھا اور ان کی وفات کے بعد عبدالدار بغیر کسی مزاحمت کے خاموشی کے ساتھ اپنے باپ کے منصب جلیل پر فائز ہو گئے لیکن عبدالدار کی وفات کے بعد ان کے پوتوں اور اُن کے بھائی عبدمناف کے بیٹوں کے درمیان سخت تنازعات برپا ہو گئے۔ اُن کے حلیف اور ہمسائے اور کئی دیگر قبیلے ایک دوسرے کے مقابلے پر آ گئے۔ لیکن ان تنازعات کا جلد ہی فیصلہ ہو گیا اور یہ مفاہمت ہوئی کہ سقایہ اور رفادہ کے مناصب عبدالشمس بن عبد مناف کو دے دیئے جائیں اور حجابہ، ندوہ اور لوا عبدالدار ہی کے خاندان میں رہیں۔ عبدالشمس نے جو نسبتہً غریب آدمی تھے۔ اپنے فرائض کو اپنے بھائی ہاشم کے سپرد کر دیا۔ جو عزت و اقتدار اور مال و منال کے لحاظ سے قریش میں بہت بڑا درجہ رکھتے تھے۔ وہ رقم جسے غریب زائرین کی مدد کے لئے قصی نے قریش کے ذمہ ڈالا تھا۔ اب ہاشم کے پاس جمع ہوتی تھی اور چندے کی یہ رقم ان کے اپنے مال و جنس سے مل کر ان غریب الدیار لوگوں کی خورد و نوش پر صرف ہوتی تھی، جو حج کے موسم میں آ کر مکہ میں جمع ہوتے تھے۔

اکثر اہل مکہ کی طرح ہاشم بھی تجارت کرتے تھے اور قریش میں یہ دستور انہیں کا جاری کیا ہوا تھا کہ مکہ سے باقاعدہ طور پر دو کارواں روانہ کئے جایا کریں۔ ایک سردیوں میں یمن کی طرف اور دوسرا گرمیوں میں شام کی طرف۔ ہاشم نے ملک شام کے ایک سفر میں شہر غزہ کے اندر ۵۱۰ء کے قریب انتقال کیا۔ اور اپنی اولاد میں صرف ایک اکلوتا بیٹا چھوڑا جس کا نام شیبہ تھا، اور جو ایک یثربی خاتون سلمٰی کے بطن سے تھا ان کی وفات کے بعد رفادہ اور سقایہ کا اہتمام ان کے سب سے چھوٹے بھائی مطلب کے

ہاتھ میں آیا۔ جنھوں نے اپنے ہموطنوں کی نظروں میں ایک اعلٰے مرتبہ حاصل کر لیا تھا اور جن کی بزرگی اور فیاضی کو دیکھ کر قوم نے ان کو "الفیض" کا خطاب دے رکھا تھا۔ مطلب شیبہ کو یثرب سے مکے میں لے آئے۔ مکہ والوں نے شیبہ کو غلطی سے مطلب کا غلام سمجھ لیا۔ اور انھیں عبدالمطلب کہنے لگے۔ اور اب تاریخ رسول خدا کے دادا کو عبدالمطلب کے سوا کسی دوسرے نام سے نہیں پہچانتی۔

مطلب نے ۵۲۰ء کے آخر میں ملک یمن کے ایک شہر غروان میں انتقال کیا اور ان کے بعد عبدالمطلب ان کے جانشین ہوئے اور مکہ کے حقیقی فرماں روا بنے۔ مکہ میں اس وقت چند امرا شہر کی حکومت تھی جو خاندان قصی کے متعدد افراد پر مشتمل تھی۔ چاہ زمزم کی دوبارہ دریافت جس کا سہرا عبدالمطلب ہی کے سر ہے اور اس کی نگہداشت و حفاظت کے تنازعات کے تصفیہ کے بعد جو جماعت برسر حکومت ہوئی وہ دس افراد پر مشتمل تھی۔ جن کو شریف کہتے تھے۔ ان دس افراد کا مرتبہ سلطنت میں سب سے زیادہ بلند تھا اور ان کے عہدے موروثی ہوتے تھے۔ جن کا حق خاندان کے سب سے بڑے فرد کو پہنچتا تھا۔ یہ مناصب مندرجہ ذیل تھے۔

۱۔ حجابہ۔ کعبہ کی چابیوں کی حفاظت۔ ایک متبرک عہدہ جو بہت درجہ رکھتا تھا۔ یہ منصب عبدالدار کے خاندان کو حاصل تھا۔ جب اسلام مکہ میں آیا تو اس عہدہ پر عثمان بن طلحہ فائز تھے۔

۲۔ سقایہ۔ یا زمزم کے مقدس چشموں اور اس کے علاوہ اس تمام پانی کا اجارہ جو حجاج کے استعمال کے لئے مخصوص ہوتا تھا۔ یہ منصب بنو ہاشم کے خاندان میں تھا اور فتح مکہ کے وقت رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے چچا عباس کے ہاتھ میں تھا۔

۳ - دیتہ - یعنی دیوانی اور فوجداری عدالت، جو مدت دراز تک تیم ابن مرہ کے خاندان میں رہی - لیکن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت یہ منصب عبداللہ ابن قحافہ یا (ابوبکر) کے پاس آگیا۔

۴ - سفارت - جس شخص کے پاس یہ عہدہ ہوتا تھا وہ حکومت کا وکیلِ مطلق سمجھا جاتا تھا - اسے قریش اور دوسرے عرب قبائل اور غیر عرب لوگوں کے درمیان جو اختلافات رُونما ہو جاتے تھے، ان پر بحث اور تصفیہ کا پورا اختیار حاصل ہوتا تھا - یہ منصب حضرت عمر کے قبضہ میں تھا۔

۵ - لوا - یعنی اس جھنڈے کے عطا کرنے کا منصب جس کے نیچے قوم جمع ہو کر دشمن سے جنگ کرنے جاتی تھی - یہ سلطنت کی افواج کا اعلےٰ ترین عہدہ تصور کیا جاتا تھا - اور اس کا علم بردار بنو امیہ کا خاندان تھا اور اس پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم کا بدترین دشمن ابوسفیان بن حرب متعین تھا۔

۶ - افادہ - اس قسم کا انتظام جو قوم کی خیرات سے جمع ہوتی تھی، اور جو غریب حجاج کے لئے جنہیں حکومت خدا کا مہمان سمجھتی تھی، اور جن میں مسافر یا مقیم کا کوئی امتیاز نہ تھا، کھانا وغیرہ مہیا کرنے میں صرف ہوتی تھی - یہ خدمت ابوطالب کو ابوالمطلب سے ملی - اور اُن کی وفات پر نوفل بن عبد مناف کے خاندان میں منتقل ہو گئی اور رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلّم کے زمانہ میں حارث بن عمر کے ہاتھ میں تھی۔

۷ - ندوہ - یعنی مجلس ملیہ کی صدارت - جو شخص اس منصب پر مامور ہوتا تھا وہ نظامِ حکومت کے اندر سب سے بلند مقام پر سمجھا جاتا تھا، اور سلطنت کے تمام اُمور اسی کے مشورے سے انجام پاتے تھے - رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں

منصب قصی کے بیٹے عبدالعزیٰ کے خاندان کے ایک فرد اسود کے پاس تھا۔

۸۔ خیمہ یا دارالمشورہ کی تولیت۔ یہ عہدہ جو عہدہ دار کو مجلس کے اکٹھا کرنے کا حق دلاتا تھا اور اس کے ساتھ ہی فوجوں کو جنگ کے لئے مجتمع کرنے کا منصب بھی عطا کرتا تھا، خالد ابنِ ولید کے سپرد تھا۔ جو مرہ بن مخزوم کے خاندان میں سے تھے۔

۹۔ خازنہ۔ یعنی بیت المال کا انتظام و انصرام۔ حسن بن کعب کے خاندان کے ہاتھوں میں تھا۔ اور حارث بن قیس کے سپرد تھا۔

۱۰۔ ازلام۔ ان تیروں کی تحویل جو بُتوں کی مرضی دریافت کرنے کے لئے چلائے جاتے تھے۔ یہ منصب ابوسفیان کے بھائی صفوان کے پاس تھا۔ اس کے ساتھ ہی یہ ایک مسلّمہ دستور تھا۔ کہ یہ عہدہ دار جتنا زیادہ پرانا ہو، اتنا ہی اس کا اثر و اقتدار بھی بڑھ جاتا تھا۔ اور اسے قوم کی طرف سے رئیس یا سیّد کا خطاب ملتا تھا۔ رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم کے زمانہ میں اس منصب پر عباسؓ فائز تھے۔

مگر باوجود طاقت و اختیار کی اس تقسیم کے عبدالمطلب کے ذاتی اخلاق اور اقتدار و رسُوخ نے ان کو ایک امتیازی درجہ دے رکھا تھا۔ اس معزز عرب سردار کو جس نے اپنی قوم کے دستور کے مطابق اپنے ایک بیٹے کو اوثان کعبہ کے سامنے قربان کرنے کی منّت مانی ہوئی تھی۔ خدا تعالےٰ نے اولادِ کثیر[1] عطا کر رکھی تھی۔ عبدالمطلب اپنے سب سے پیارے بیٹے عبداللہ کو اپنی منّت پُورا کرنے کے لئے اپنے معبد کے سنگ دِل

---

[1] عبدالمطلب کے ہاں بارہ بیٹے اور چھ لڑکیاں تھیں۔ لڑکوں میں سے حارث جو سب سے بڑے تھے ۵۲۸ء میں پیدا ہوئے۔ عبدالعزیٰ یا ابولہب جس نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو ایذا دینے میں انتہا کر دی۔ عبدمناف جو ابوطالب مشہور ہیں ۵۴۰ء میں پیدا ہوئے اور ۶۲۰ء میں انتقال کیا۔ زبیر اور عبداللہ ۵۴۵ء میں فاطمہ بنت عمر مخزومی کے بطن سے پیدا ہوئے۔ حمزہ اور عباس ۵۵۶ء ۶۲۲ء میں نطیلہ کے بطن سے پیدا ہوئے۔ (بقیہ بر صفحہ آئندہ)

دیوتاؤں کی نذر کرنے سے رہ گئے۔ لیکن تقدیر میں کچھ اَور لکھا تھا۔ معبد کے کاہن کے کہنے پر انسانی قربانی ایک سو اونٹوں کی قربانی کی شکل میں تبدیل کر دی گئی ۔

عبداللہ کی شادی آمنہ سے ہوئی جو خاندانِ زہری کے سردار وہب کی بیٹی تھی۔ عبداللہ کی شادی کا سال نہایت اہم واقعات سے پُر تھا۔ سال کے شروع میں ایک ہی واقعہ ایسا پیش آیا جس نے تمام عرب کو ہلا دیا اور جس سے تمام قوم کے دِل لرز گئے۔ ابرہتہ الاشرم یمن کے حبشی نژاد نائب السلطنت نے صنعا میں ایک گرجا تعمیر کیا تھا وُہ چاہتا تھا کہ اُس مال و دولت کو جو کعبہ کی عظمت و تقدیس مکہ میں کھینچ لاتی ہے، اپنے شہر میں منتقل کرے۔ اہلِ مکہ میں سے ایک شخص نے اس گرجا کی بےحرمتی کی تھی۔ اس واقعے نے اس کے ارادہ کے لئے ایک وجہ موجبہ فراہم کر دی اور اُس نے کعبہ کی عمارت کو گرانے کے لئے ایک زبردست فوج تیار کی۔ خود میرِ لشکر بنا اور ایک نہایت آراستہ و پیراستہ ہاتھی پر سوار ہو کر مکہ کی طرف روانہ ہوُا۔ اس عظیم الشان جانور کو دیکھ کر جو افواج کے درمیان نہایت تمکنت اور باوقار انداز سے چل رہا تھا، عرب قبائل کی ذہنیت پر اتنا اثر ہوا، کہ اُنہوں نے "عام الفیل" کے نام سے ایک سن کا آغاز کر دیا۔ یہ واقعہ ۵۷۰ء کا ہے جب اہلِ حبشہ کی افواج قریب آ پہنچیں، تو قریش اپنے بیوی بچوں کو لے کر قریب کی پہاڑیوں میں منتقل ہو گئے اور وہیں سے حالات کی رفتار کا مشاہدہ کرتے رہے۔ انہیں ہر وقت اُمید رہتی تھی کہ کعبہ کے اصنام خود اپنے گھر کی حفاظت کر لیں گے۔ صبح اپنی تمام نابانیوں کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) مقوّم اور جہم جو الغیداق اور حمزہ کے القاب سے مشہور تھے، ہالہ کے بطن سے پیدا ہوئے۔ لڑکیوں میں عتیقہ، امیمہ، عروہ، برہ، اور ام حکیم جن کا لقب البیضا تھا، فاطمہ کے بطن سے تھیں، اور صفیہ ہالہ سے پیدا ہوئیں، ان کی شادی عوام سے ہوئی تھی جو تاریخ اسلام کے بطلِ جلیل عبداللہ ابن زبیر کے دادا تھے۔ عبدالمطلب کے باقی دو لڑکوں کے نام نامعلوم ہیں۔ غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ اُنہوں نے کوئی اولاد نہیں چھوڑی ۔

ساتھ طلوع ہوئی اور حبشہ والے مکّہ کی طرف بڑھے۔ چشمِ عالم نے اس وقت کیا نظارہ دیکھا۔ روایات کہتی ہیں کہ سارے آسمان کو چھوٹے چھوٹے پرندوں کی بے پناہ اُڑان نے چھپا لیا۔ ابابیلیں ذرا ذرا سے کنکر بدقسمت فوج پر پھینکتی تھیں۔ یہ کنکریاں دشمنوں کی زرہوں کو چیر کر انسانوں اور گھوڑوں کے جسموں میں سے پیرتی ہوئی نکل جاتی تھیں۔ قدرت کی اس جنگ نے حملہ آور فوج میں ایک خطرناک تباہی اور بربادی پھیلا دی۔ اس پر مزید یہ ہوا کہ آسمانوں کے طوفانی دروازے کھُل گئے۔ اور بارش اس شدت سے ہوئی کہ پانی مُردہ لاشوں اور نیم جان اجسام کو بہا کر سمندر میں لے گیا۔

ابرہہ زخموں سے چُور ہو کر صنعا کی طرف بھاگ گیا اور جلد ہی وہاں مر گیا۔ ابنِ ہشام یہ عجیب و غریب واقعہ بیان کرنے کے بعد لکھتا ہے کہ یہی وہ سال ہے جبکہ پہلی دفعہ چیچک ملکِ عرب میں رونما ہوئی۔ کاسن ڈی پرسیول لکھتا ہے کہ ابنِ ہشام کے یہ الفاظ ہی معجزے کی پوری پوری توضیح کر دیتے ہیں۔ ابرہہ کی فوج کی تباہی کے وجوہ کو ہر شخص اچھی طرح سمجھ سکتا ہے۔ اگر ان وجوہ کو کسی خطرناک وبا سے تعبیر کیا جائے۔ ایسا ہی انجام سنقرلیوں کا ہُوا کہ اُن کو بھی بارش کے اس بے پناہ طوفان نے آ لیا۔ جو اکثر وادیٔ مکّہ میں خوفناک ابتری کا باعث ہُوا کرتا ہے۔

اس واقعے کے کچھ مدّت بعد عبداللہ نے پچیس برس کی عمر میں یثرب کے ایک سفر کے دوران میں انتقال کیا۔ اور ان کے انتقال کے بعد جلد ہی ان کی مصیبت زدہ بیوی کے ہاں بچہ پیدا ہُوا جس کا نام محمدؐ رکھا گیا (صلّی اللہ علیہ وسلّم)۔ محمدؐ بارھویں ربیع الاوّل کے دن عام الفیل میں پیدا ہوئے۔ اہلِ حبشہ کی افواج کی تباہی کو پچاس سے کچھ زائد دن گزر چکے تھے۔ سنہ عیسوی کے حساب سے اگست ۵۷۰ء

کی اُنتیسویں تاریخ تھی۔ آپ کی ولادت پر بہت سے نشانات ظاہر ہوئے جن سے اقوامِ عالم نے جان لیا کہ دُنیا جہان کا نجات دہندہ آج مبعوث ہوا ہے۔ تاریخ دان ماہبی مناظر کو ان عجیب وغریب نشانات پر بلا دلیل ایمان لاتے ہوئے دیکھ کر ہنستا ہے۔ ایک محقق اور متجسس کے لئے جس کا دل تفکّر و تدبّر کے قدیم انداز سے ہمدردی رکھتا ہے اور جس کا دماغ ان آیات و نشانات سے جو مسلمانوں کے نزدیک پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلّم کی ولادت پر رُونما ہُوئے کوئی تعصب نہیں رکھتا، تاریخی تجزیہ کا محتاج ہے۔ ہم جو اس جدید زمانے میں پیدا ہوئے ہیں افراد اور قوم کی زندگیوں کے معمولی واقعات میں ایک ناقابلِ مقابلہ قانون کو جاری وساری دیکھتے ہیں۔ پھر کیا تعجب ہے اگر آج سے تیرہ سو سال پہلے لوگوں نے کسی قوم کے آثار کے مٹنے میں خداتعالےٰ کے ہاتھ کو کام کرتے ہوئے دیکھا۔ اور اُسے اس قوم کے اُس انجام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پایا، جو اُن کے ظلم اور ناانصافی کی بدولت یقینی طور پر ہونے والا تھا۔ عربوں کے دستور کے مطابق بچّے کو دُودھ پلانے کے لئے ایک بدوی عورت حلیمہ کے سپرد کیا گیا جو بنی سعد کے قبیلہ سے تھی جو قوم ہوازن کی ایک شاخ تھی۔ جب حلیمہ بچّے کو واپس لائی، تو وُہ کچھ عرصہ اپنی ماں آمنہ کی زیرِ نگرانی رہا۔ لیکن آمنہ نے کچھ ہی دنوں کے بعد انتقال کیا۔ اور آپ اپنے دادا عبدالمطلب کی نگرانی میں پرورش پانے لگے۔ عبدالمطلب بھی آنحضرت کی والدہ کے چند ہی سال بعد تک زندہ رہے اور گو اس عرصہ میں اُنہوں نے بڑی محبت اور جانفشانی سے آپ کی حفاظت کی لیکن والدین کی محبت کا جو بچپن کی ایک نعمت ہے نعم البدل نہ بن سکتی تھی۔ والد کا انتقال آپ کی ولادت سے پہلے ہی ہوچکا تھا۔ والدہ بھی چھ سال کی عُمر میں داغِ مفارقت

دے گئیں، اور اس ناقابلِ تلافی نقصان نے حسّاس طبیعت بچے کے دِل پر ایک گہرا اثر کیا۔ عبدالمطلب کا انتقال ۵۷۹ء میں سفرِ صنعا سے واپس آکر تھوڑے ہی دنوں بعد ہو گیا۔ جہاں وہ ذوالیزن کے بیٹے سیف کو طوبا اس کا تخت ملنے پر قریش کی طرف سے مبارکباد پیش کرنے گئے تھے جو اُسے ایرانیوں کی مدد سے مِلا تھا۔

عبدالمطلب کی وفات کے بعد اس یتیم (صلے اللہ علیہ وسلم) کی زندگی کا ایک اَور دَور شروع ہوتا ہے۔ بسترِ مرگ پر عبدالمطلب نے آپ کو ابوطالب کے سپرد کیا۔ اور ابوطالب ہی کے گھر میں آپ نے اپنی زندگی کے ابتدائی ایام گزارے۔ چچا کے غریب اور مسکین گھرانے میں ہم اکثر آپ کو خیالات میں غرق اور آپ کی آنکھوں کو غور و فکر میں ڈوبا ہوا پاتے ہیں۔ ان آنکھوں کو جو اس زمانہ میں مستقبل کو دیکھ رہی تھیں اور کبھی ہم آپ کو صحرا میں حُسنِ فطرت کا مطالعہ کرتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ بچپن ہی سے آپ کی طبیعت حلیم اور آپ کے اخلاق کریمانہ تھے۔ کسی کی ذرا سی تکلیف کو دیکھ کر بھی آپ کا دِل بھر آتا تھا۔ ہر شخص کو آپ سے بے انتہا محبت تھی اور چچا بھی آپ سے بڑی اُلفت رکھتے تھے۔ آپ کی ابتدائی زندگی بھی محنت و مشقّت کے بار سے آزاد نہ تھی۔ آپ کو اکثر اپنے چچا کے گلّوں کی رکھوالی کے لئے صحرا میں جانا پڑتا تھا۔ ہاشم اور عبدالمطلب کی شاہانہ فیاضیوں نے اپنے ورثا کے لئے کچھ نہ چھوڑا تھا، اور اب اپنی عسرت کے باعث اپنا اقتدار و اختیار کھو رہے تھے۔ حجّاج کو کھانا وغیرہ کھلانے کی خدمت بنو اُمیہ کے

لہ سقایہ اور افادہ کے مناصب جو عبدالمطلب کے سپرد تھے ان میں سے سقایہ اور زمزم کی نگہبانی اُن کے بیٹے عباس کو ملی اور دوسری ابوطالب کو حاصل ہوئی جو مکہ میں بڑی صاحب اختیار شخصیت کے مالک تھے۔ مگر ابوطالب نے افادہ کو اپنی اولاد کے لئے نہ چھوڑا۔ یہ منصب اُن کی وفات کے بعد آلِ نوفل ابن عبد مناف کو ملا اور جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مکہ کو فتح کیا تو یہ منصب اس وقت حارث بن عمر بن نوفل کے پاس تھا جیسا کہ ہم منصب افادہ کی ذیل میں پہلے بھی لکھ آئے ہیں۔

حصے میں آچکی تھی جنہوں نے اولادِ ہاشم کے لئے ہمیشہ نہایت حاسدانہ روش کا اظہار کیا۔ محمد صلے اللہ علیہ وسلم ابھی کم سن ہی تھے کہ غزوۃ الفجار کی ابتدا ہوئی جس میں جان ومال کا بڑا نقصان ہُوا اور جو کئی سال تک جاری رہی۔ یہ لڑائی عکاظ کے مقام پر ہوئی اور اس میں قریش اور بنی کنانہ ایک طرف تھے اور قیس عیلان دوسری جانب۔ عکاظ مکہ سے تین چھوٹی چھوٹی منزلوں پر طائف اور نخلہ کے درمیان واقع ہے۔ اس جگہ جو تاریخ عرب میں بہت مشہور ہے ذی القعدہ کے محترم مہینے میں سالانہ ایک بہت بڑا میلہ لگتا تھا۔ اس مہینہ میں جنگ کرنا یا کسی اور طریقے سے انسانی خون بہانا ممنوع سمجھا جاتا تھا۔ مجنہ کے نام پر مرّ الظہران کے قریب جو مکہ کے پاس واقع ہے اور عرفات کے دامن میں ذوالمجاز پر بھی میلے ہوتے تھے مگر عکاظ کا میلا ایک قومی میلا سمجھا جاتا تھا جہاں بہت بڑا اجتماع ہوتا تھا۔ یہاں اس مقدّس مہینے میں جب تمام دشمنیاں اور تمام قبیلہ وارانہ پرخاشیں مدفون و مفقود سمجھ لی جاتی تھیں۔ عرب کے تمام حصّوں سے اور دوسرے ملکوں سے دُنیا کی تجارت کا ایک دریا بہتا تھا۔ یہیں نجد و حجاز کے تاجر، صحرا کے شاعر اور بڑے بڑے خطاب اکثر انتقام لینے والوں سے چھپنے کے لئے اپنے چہروں پر نقاب ڈال ڈال کر آتے تھے اور ان تمام قوموں سے جو وہاں جمع ہوتی تھیں داد حاصل کرنے کے لئے اپنی نظمیں سُناتے تھے۔ عکاظ عرب کا اولمپیا تھا۔ یہاں یہ لوگ محض تجارت کی غرض سے نہ آتے تھے بلکہ اپنی شجاعت اور اپنی شوکت کے نغمے گانے آتے تھے اور اپنی ادبی اور شعری قابلیتوں کا مظاہرہ کرنے آتے تھے۔ وہ قصیدے جنہیں تمام لوگ پسند کرتے سُنہری حروف میں لکھائے جاتے اور قومی صنم کدے (کعبہ) میں اخلاف کے

لئے بطور یادگار لٹکا دیئے جاتے تھے، اس لئے یہ نظمیں معلقات کہلاتی تھیں۔ ان ایام میں عکاظ خوشی اور جوش کا ایک عجیب سماں پیش کرتا تھا۔ لیکن اس تصویر کا ایک دوسرا رُخ بھی تھا۔ رقاصہ عورتیں جو خیمہ بہ خیمہ پھرتی ہوئیں صحرا کے اکھڑ اور تُند مزاج فرزندوں کے جذبات کو اپنے نشاط آمد رنگینوں اور ناز و انداز سے مشتعل کرتی چلی جاتی تھیں شرابی بھانڈ جن کے تماشے اکثر لڑائی جھگڑے اور خوں ریزی پر ختم ہوتے تھے، جُوّا کھیلنے کے اڈّے جہاں اہل مکّہ شام سے صبح تک جُوّا کھیلتے رہتے تھے، دو رقیب شاعروں کا ایک دوسرے کے خلاف نفرت اور دشمنی کے جذبات کا اُبھارنا جس کے نتیجہ میں دو فریق تلواریں کھینچ لیتے اور یہ جھگڑا ایک غیر مختتم اور تباہ کن جنگ کی صورت اختیار کر لیتا۔ یہ باتیں تھیں جنہوں نے تصویر کے اس رُخ کو بے حد گھناؤنا کر رکھا تھا اور یہی باتیں تھیں جو آمنہ کے یتیم بچّے کے دل پر گہرا اثر ڈال رہی تھیں۔ قبیلہ وارانہ جنگوں کے اس درمیانی وقفے میں یعنی ان مقدس مہینوں میں جبکہ تمام جھگڑے اور خونریزیاں ممنوع قرار دی جاتی تھیں۔ آنحضرت اپنے سرپرست چچا کے ساتھ ایک تجارتی سفر پر شام کی طرف گئے[1]۔ یہاں آپ کی آنکھوں نے معاشرتی تذلّل اور مذہبی پستی کا وہ بھیانک نظارہ دیکھا جو تمام عمر آپ کی یاد سے محو نہ ہو سکا۔ اسی درماندگی اور بیچارگی میں خیالات و افکار سے بھرے ہوئے دل کے ساتھ یہ دُرِ یتیم بچّے سے جوان اور جوان سے مرد ہوا۔

آپؐ اپنی قومی روایات سے اچھی طرح واقف تھے۔ جدید اصطلاح کے مطابق

[1] ابو طالب اپنے والد اور دادا کی طرح شام اور یمن کے ساتھ تجارت کرتے تھے۔ وہ دمشق بصرہ اور شام کے دوسرے شہروں میں حجاز اور حج کی کھجوریں اور یمن کے عطر لے جاتے اور ان کے بدلے بازنطینی اشیاء لے آتے تھے۔

آپ کوئی تعلیم نہ رکھتے تھے۔ باوجود اس محبت کے جو آپ کو اپنی قوم سے تھی، آپ اپنے عادات اور خیالات کی وجہ سے ان لوگوں سے بالکل الگ نظر آتے تھے۔ معاشرہ کے اس ہیولیٰ میں آپ تنہا اپنی عقیم اور ابتر قوم کی اس متحرک تصویر کو بغور دیکھ رہے تھے۔ اہلِ مکہ کی عالمگیر بے آئینی، عکاظ میں جانے والے قبیلوں کے بے وجہ خونریز جھگڑے، قریشیوں کا فسق و فجور اور اوہام پرستی آپ کے اثر پذیر دل میں خوف اور بیزاری کے جذبات پیدا کر دیتے تھے۔

اپنی عمر کے پچیسویں سال میں محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو ایک مرتبہ پھر شام کا سفر کرنا پڑا۔ اس دفعہ وہ اپنے خاندان کی بلند مرتبہ قریشی خاتون خدیجہؓ کے تجارتی قافلہ کے ساتھ معتمد کی حیثیت سے گئے جس قابلیت اور امانت سے آپ نے اپنے فرائض کو انجام دیا۔ اس کے خوش آیند نقوش خدیجہؓ کے دل پر آہستہ آہستہ محبت کی صورت میں گہرے ہوتے گئے اور جلد ہی یہ محبت ازدواج کی رفاقت میں تبدیل ہو گئی۔ باوجود اس تفاوت کے جو محمد صلعم اور آپ کی بیوی خدیجہؓ کی عمر میں تھا کیونکہ وہ عمر میں آپ سے بہت بڑی تھیں، طرفین میں انتہا درجہ کی محبت تھی۔ یہ نکاح آپ کے لئے وہ اطمینان لایا جس کی آپ کو نبوت کے سے عظیم الشان کام کی انجام دہی کے لئے ضرورت تھی۔ اس کے علاوہ خدا نے آپ کو ایک عورت کا محبت بھرا دل دیا جو سب سے پہلے آپ پر ایمان لایا۔ یہی دل تھا جو یاس اور نا اُمیدی میں آپ کی ڈھارس بندھاتا اور اُمید کے جھلملاتے ہوئے شعلے کو اُس وقت زندہ رکھتا۔ جبکہ کوئی شخص آپ پر یقین نہ لاتا تھا، یہاں تک کہ خود آپکو اپنے آپ پر پورا یقین نہ تھا، اور آپ کی آنکھوں کے سامنے تمام دُنیا تاریک تھی۔"

خدیجہؓ ایک نمایاں ہستی ہیں۔ اور ان کی زندگی تمام مسلمان عورتوں کے لئے ایک

قابلِ تقلید مثال ہے۔ وُہ الزام جو شرعِ اسلام میں عورت کا درجہ پست کرنے کے متعلق لگایا جاتا ہے حضرت خدیجہؓ اور ان کی سب سے چھوٹی صاحبزادی "الزہرا" کی اُس عزت اور مرتبے کے مقابل بے حقیقت ثابت ہوجاتا ہے جو انہیں مسلمانوں کے نزدیک حاصل ہے۔ خدیجہؓ کے بطن سے آنحضرتؐ کے تین بیٹے اور چار بیٹیاں ہوئیں۔ لیکن تمام بیٹے بچپن ہی میں فوت ہوگئے۔ ان لڑکوں کی موت نے غمزدہ باپ کا دل ہلا دیا۔ جو ان سے بہت مانوس ہوگیا تھا۔ انہیں حادثات سے دشمنوں کو رسول اللہ کے لئے الابتر جیسا غیر مہذب نام تجویز کرنے کا موقع ملا۔

آپ کی ازدواجی زندگی کے آئندہ پندرہ سال عبادت و ریاضت اور تفکر و تدبر میں خاموشی سے گزر گئے۔ صرف چند موقعے ایسے آئے جب آپ کو اپنی حالت کی نزاکت یا شہری ضروریات کی وجہ سے اپنی قوم سے سابقہ پڑا۔ عبدالمطلب کی وفات کے بعد حکومت کم و بیش تقسیم ہوچکی تھی۔ مختلف ارکان کے محدود اختیارات تھے، اور ایسی کوئی عدالت نہ تھی جس کے زیرِ سایہ افراد کے حقوق اور ملکیت پُرامن طریق پر محفوظ رہ سکتے۔ خونی رشتے اور قبائل کے ساتھ تعلقات تو کسی حد تک شہریوں کو ظلم و جور اور غارتگری سے بچا لیتے۔ لیکن اجنبی ہر قسم کے ظلم کا نشانہ بن سکتے تھے۔ نہ صرف ان کے مال و متاع لُوٹ لئے جاتے بلکہ ان کی بیویاں اور بیٹیاں بھی چھین لی جاتیں۔ حنظلہ جو قبیلہ بنی القائن کا ایک مشہور شاعر تھا اور ایک ذی مرتبہ قریش عبداللہ ابن جدعان کی زیرِ حمایت شہر میں داخل ہُوا تھا مکّہ کے بازاروں میں لٹ گیا۔ بے آئینی کے ایسے ہی ایک اور واقعے کی وجہ سے حالات نے سخت نازک صُورت اختیار کر لی۔ چنانچہ آنحضرتؐ کی تحریک پر بنی ہاشم، بنی مطلب اور قبائلِ زہرا اور تیم کے معتدد ارکان نے

متحد ہو کر افراد کی حفاظت کے لئے قسمیں کھائیں کہ خواہ وہ مکّی ہوں یا اجنبی، آزاد ہوں یا غلام مکہ کے حدود کے اندر ان سے اگر ظلم یا بے انصافی کی جائے گی، تو مظلوم کے نقصانات کی پوری طرح تلافی کی جائے گی۔ اس اولوالعزم انجمن کا نام بنی جرہم کی پرانی انجمن کے نام پر حلف الفضول رکھا گیا۔ جس کے چار ارکان فضل، فضال، مفضل اور فضیل تھے اور مجموعی طور پر فضول کہلاتے تھے۔ یہ انجمن آنحضرتؐ کے نکاح کے فوراً بعد یعنی ۵۹۵ء میں قائم ہوئی اور آنحضرتؐ اس کے رُکنِ اعلےٰ قرار پائے۔ انجمن فضول کا قیام کمزوری اور مظلوموں کی دستگیری کے لئے بہت مفید ثابت ہوا۔ پہلے ہی سال زبردستوں کی بے آئینیاں اس کے رُعب سے دب گئیں۔ اور زیردستوں کے نقصانات کی پوری طرح تلافی ہوگئی۔ یہ انجمن عہدِ اسلام میں بھی پچاس سال تک پُوری قوت سے قائم رہی۔ قیام حلف الفضول کو چند ہی سال ہوئے تھے، اور ساتویں صدی عیسوی کا ابتدائی زمانہ تھا کہ عثمان بن حویرثؓ نے بازنطینی دولت کی پشت پناہی پر حجاز کو روم کے ماتحت کرنے کی کوشش کی۔ آنحضرت کی دخل اندازی سے وہ اپنے ارادہ میں ناکام رہا اور شام کی طرف بھاگ گیا۔ جہاں بعد میں غسانی شہزادہ عمرؔ نے زہر دے کر اسے مار ڈالا۔ ۶۰۵ء میں جبکہ آنحضرتؐ کی عمر پینتیس سال تھی۔ قریش نے کعبہ کی دوبارہ تعمیر کا کام شروع کیا۔ تعمیر کے دوران میں مختلف قبائل کے درمیان تعمیر کے متعلق ایک ایسا جھگڑا اُٹھ کھڑا ہوا۔ جس میں اگر آنحضرتؐ دخل دے کر سب کو مطمئن کر دینے والا فیصلہ نہ کر دیتے۔ تو یہ ضرور ایک مہیب اور خونریز جنگ کی صورت اختیار کر لیتا۔ ان پندرہ سال کے دوران میں صرف یہی واقعات ہیں جو ہم آپ کی قومی زندگی کے متعلق جانتے ہیں۔ آپ کی سیرت، آپ کی اصول پسندی

آپ کی پاکیزہ زندگی، آپ کا غریبوں اور ناتوانوں کی امداد کے لئے ہر وقت تیار رہنا، آپ کی ایمانداری، آپ کی دیانتداری، آپ کی وفا، آپ کا احساس فرائض، یہی باتیں تھیں جنہوں نے آپ کے لئے آپ کے ہموطنوں سے اَلْاَمِین جیسا قابلِ رشک خطاب حاصل کیا تھا۔

یہی وقت تھا جب آپ نے اپنے چچا کے احسانات کا کچھ بدلہ اُن کے بیٹے علی کو اپنی زیرِ تربیت لے کر دینا چاہا۔ ابو طالب اپنے قبیلہ کی گزشتہ عظمت کو حاصل کرنے کے لئے بہت حد تک تنگدست ہو چکے تھے۔ آنحضرتؐ جو اب حضرت خدیجہؓ سے نکاح ہو جانے کے باعث خوشحال تھے اور حضرت عباسؓ (ابو طالب کے بھائی) مکہ کے دولت مند لوگوں میں شمار ہوتے تھے۔ عرب میں سخت قحط پڑا۔ اِس پر آنحضرتؐ نے ابو طالب کے ایک بیٹے کی کفالت پر اپنے چچا عباس کو آمادہ کیا اور دوسرے کو خود لے لیا۔ اِس طرح جعفر حضرت عباس کے پاس، علیؓ آنحضرتؐ کے پاس اور عقیلؓ اپنے باپ کے پاس رہے۔ چونکہ آنحضرتؐ کے تمام بیٹے بچپن ہی میں وفات پا چکے تھے اس لئے حضرت علی رضؓ کی محبّت میں آپ اپنے نقصان کی تلافی محسوس کرتے تھے۔ چنانچہ اپنی سب سے چھوٹی صاحبزادی فاطمہ رضؓ کے ساتھ حضرت علی رضؓ کے نکاح نے اس رشتۂ محبت و مودّت پر مُہرِ ثبت کر دی۔

انہیں دنوں آنحضرتؐ نے لوگوں کے لئے رحمت و رافت کی ایک ایسی مثال قائم کی جس نے اہلِ مکّہ پر بہت اچھا اثر ڈالا۔ ایک عرب نوجوان زید بن حارثؓ ایک دُشمن قبیلہ سے بطور قیدی کے لایا گیا۔ اسے حضرت خدیجہؓ کے ایک بھتیجے نے خریدا اور حضرت خدیجہ کو تحفۃً دے دیا۔ حضرت خدیجہؓ سے یہ تحفہ آنحضرتؐ کو ملا۔ اور

ؔ ابن ہشام صہ ۱۰۵، اسد الغابہ جلد دوم صہ ۴۲، طبری جلد دوم صہ ۳۹۶

آپ نے اسے فوراً آزاد کر دیا۔ اگر ایک طرف رحم و کرم صادر ہوا تو دوسری طرف محبت و عقیدت نے اس کا جواب دے دیا۔ چنانچہ اس عرب لڑکے کو آنحضرتؐ سے جُدا کر کے اپنے گھر اور قبیلے میں جانے کے لئے خود اس کا باپ بھی آمادہ نہ کر سکا۔

اسی طرح آزمائش و امتحان کے یہ پندرہ سال انسانی مصائب و غم سے اعدادؔ سال دوسروں کی مصیبت اور ہمدردی میں گزرے۔

محمد صلعم کے سامنے ان کا ملک خون میں نہا رہا تھا۔ فرقہ وارانہ جنگوں اور قبائل کی نااتفاقیوں نے اس کے ٹکڑے کر دیئے تھے۔ آپ کے ہموطن جہالت میں ڈوبے ہوئے تھے۔ فحش اور ناپاک طریقہ ہائے عبادت اور اوہام پرستی کے عادی تھے، اور اپنے تمام صحرائی اوصاف کے ساتھ قانون شکن اور ظالم تھے۔ شام کے دو دفعہ کے سفر نے آنحضرتؐ کے سامنے اخلاقی اور معاشری پستی کا ایک ناگفتہ بہ نظارہ پیش کر دیا تھا۔ حریف فرقے ایک دوسرے کے ٹکڑے اُڑا رہے تھے۔ جس مفروضہ خدا کی وہ عبادت کرتے تھے، اس کے وجود کو ایک دوسرے سے چھینتے تھے۔ ان جذبات نفرت کو وہ حجاز کی وادی و صحرا تک لے آئے، اور عرب کے شہروں کو لڑائیوں اور دشمنیوں سے بھر دیا۔ آنحضرتؐ کے سامنے ایک تاریک، اور یاس انگیز منظر تھا۔ وُہ چند آدمیؐ جو اپنے پُرانے عقاید کو چھوڑ کر اس خوفناک تاریکی میں کسی پُرامن جگہ کے لئے بھٹکتے پھر رہے تھے، ایک عالمگیر بے اطمینانی کی نمائندگی کر رہے تھے۔ ان کے

---

[1] چار اشخاص زید، ورقہ بن نوفل حضرت خدیجہؓ کے بھتیجے اور دو اور اشخاص (عبید اللہ اور عثمان) بُت پرستی کو خیر باد کہہ کر کسی سچے دین کی جستجو کر رہے تھے۔ زید ان سب میں پیش پیش تھے۔ زید سے آنحضرتؐ کی ملاقات اس وقت ہوئی جب ابھی آپ خدا تعالیٰ سے ہمکلام نہ ہوئے تھے۔ بُت پرستی سے متنفر دیکھ کر آنحضرتؐ کے دل میں زیدؓ کی عزت بہت بڑھ گئی۔ کچھ مدت کے بعد جب زید کے بھتیجے نے ان کے لئے دعائے رحمت کرنے کی (بقیہ بر صفحہ ۲۹)

پاس اپنی ذات کے سوا انسانیت کو پیش کرنے کے لئے کچھ نہ تھا۔ لیکن آنحضرتؐ کی روح آسمان کی رفعتوں کی سیر میں مصروف تھی۔ وہ تمام کائنات کے حیات و موت، نیکی اور بدی کے اسرار دیکھ رہی تھی اور اس ہیولیٰ میں ایک ضابطہ اور قانون معلوم کرنا چاہتی تھی، اور وہ الفاظ جو خدا نے آپ سے کہہ دیئے تھے، دُنیا کے لئے ایک زندگی بخش طاقت کی صُورت میں جلوہ گر ہوئے۔ نکاح کے بعد کئی سال تک آپ کا یہ معمول رہا کہ بعض اُوقات مع اہل و عیال اور بعض اُوقات اکیلے کوہِ حرا پر ایک غار میں چلے جاتے[1]۔ "حرا ایک بنجر کا ٹیلہ ہے۔ جو پہاڑیوں اور گھاٹیوں کے سلسلے سے کٹا ہُوا صحرا کے تمازت خیز آفتاب کے سامنے اکیلا کھڑا ہے۔ یہاں کسی درخت، پھول یا چشمہ کا نشان تک نہیں۔ حقیقت میں تنہائی آپ کو بہت مرغوب ہو گئی تھی۔ اس غار میں آپ بعض اوقات تمام تمام رات گہرے خیالات میں غرق اپنے اَن دیکھے لیکن محیطِ کُل ربِ کائنات کے حضور میں حاضر رہتے۔ آہستہ آہستہ زمین و آسمان ایک جاودانی الہام اور حکم سے بھر گئے۔ ایک آواز آتی ہوئی معلوم ہوئی، یہاں تک کہ آپ کے اِردگرد کی بے جان چیزیں پتھر، ٹیلے اور درخت بھی آپ کو اس کام کی انجام دہی کے لئے پکارنے لگے۔ جو ایک قادرِ مطلق طاقت آپ کو تفویض کر رہی تھی[2]۔

کیا رُوح کی شعریت اس سے بڑھ کر ہو سکتی ہے؛ الہامات اور فرشتوں کی اپنی شکلیں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۸) استدعا کی تو آنحضرتؐ جنہوں نے اپنے دادا کے لئے دُعا نہ کی تھی، اور وُہ بُت پرستی ہی میں فوت ہوئے تھے، نہایت خوشی سے زید کے لئے دعا مانگی۔

[1] اب کوہِ نور کہلاتی ہے۔ ابن ہشام، ابن الاثیر اور ابو الفداء کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ اکثر ماہِ رمضان غارِ حرا میں عبادت میں گزارا کرتے تھے اور غریبوں کی امداد اور مسافرانِ صحرا کی دستگیری میں صرف کیا کرتے تھے لیکن طبری ماہِ رجب لکھتا ہے۔

[2] ابن ہشام صفحہ ۱۵۱

ان لمحات میں روشن ہوتی جائیں۔ اس وقت آپ پر وہ حقائق ظاہر ہوتے جن سے آپ دُنیا کے تنِ مُردہ کو زندہ کرنے والے تھے۔ دُنیا کی عظیم الشان ہستیوں نے اکثر اندھیرے میں اور ہستی کے سنگلاخ راستوں میں ان غیر محسوس اور غیر مرئی اثرات کو محسوس کیا ہے جنہوں نے بنی نوعِ انسان کو عظیم الشان برکات سے مالا مال کر دیا۔ رازِ ازل کے اس قدیم امانتدار اسمٰعیل سے لے کر جس کا روشن اور پُر جلال چہرہ اُفقِ ماضی کی تاریکیوں میں بھی صاف نظر آ رہا ہے۔ مسیح تک جو ملک کے ویرانوں میں اپنی قوم کی سیاہ بختی اور اپنے کام کی عظمت پر تفکر کرتا ہوا اپنے سچے خدا کے شیریں الفاظ سُنتا تھا۔ اور پھر مسیح سے محمد صلے اللہ علیہ وسلم تک غارِ حرا کی تنہائیوں میں ان اثرات کے تسلسل میں کوئی انقطاع واقع نہیں ہوا۔ رات کی پُرسکون گھڑیوں میں صبحِ صادق کی شیریں خاموشیوں میں جبکہ کوئی ہمدرد انسان پاس نہیں، تنہائی کی گہرائیوں میں سے آپ کو ایک انسانی سی آواز آتی، اس طرح جیسے نسیمِ صبح کا ہلکا سا جھونکا چلے "تُو ہی وہ انسان ہے تُو ہی خدا کا پیغمبر ہے"۔ یا جب آپ اپنے خیالات میں ڈوبے ہوئے ہوتے، تو ایک زبردست آواز گونج اُٹھتی۔ "اپنے رب کے نام سے پڑھ"۔ مصروف و منہمک قلب ایسے اوقات میں ایک تصویر آنکھوں کے سامنے قائم کر دیتا ہے۔ ان متبرک ہستیوں کی تصویر جو رب السمٰوٰت کے پیغامات زمین پر انسان تک پہنچاتی ہیں۔ خدائے تعالےٰ اپنے پیغمبروں کو منتخب کر لیتا ہے۔ اور اُن سے رعد کی کڑک سے بھی بلند آواز میں خطاب کرتا ہے۔ یہ وہی اندرونی آواز ہے جس کے ذریعہ سے خدا ہم سب سے مخاطب ہوتا ہے۔ ممکن ہے یہ آواز بہت مدھم ہو اور ہمیں مشکل سے سنائی دے۔ یا اس کا الٰہی لہجہ تبدیل ہو جائے، اور ہمارے لئے دل میں یہ دنیاوی دانش بن کر داخل ہو لیکن

یہی آواز باوقات مختلف اپنی پوری الوہیت کے ساتھ خدا کے منتخب لوگوں تک پہنچتی ہے، اور ان کے کانوں میں آسمانی آواز کی طرح گونجی" ہے[1]۔

ہستیِ باری تعالےٰ کی نسبت آنحضرت[2] کے اُس وسیع تصور کا تعلق اپنے عہد کی عام فضا سے تنہا توضیح ہے اُس زہد و تقوےٰ اور استقلال کی جس سے اِس قدر حاوی کل الہامات ظاہر ہوئے۔ یہ صرف اتفاقی امر نہیں کہ کائنات کی ایک عظیم الشان قوت ایک ایسے صحرا کی تنہائیوں سے ظاہر ہوئی جس کے آس پاس عظیم الشان سلطنتوں کا ایک دریا موجیں مار رہا تھا۔ دُنیا میں خاص الخاص پیغمبرانہ دعووں کی آواز ہمیشہ صحرا ہی سے بلند ہوئی ہے۔ عرب اس وقت ایک فردِ واحد تھا۔ اور پیغمبر اسلام اس کی مرکوز آواز۔ اپنے اس عالی نسب فرزند پر جو کسی پُراسرار طاقت سے مجبور ہو کر تاروں بھری راتوں میں تنہائی ڈھونڈتا پھرتا تھا صحرا اپنے تمام اسرار کھول دیتا۔

ایک رات[3] وُہ شرف و بزرگی کی رات، کہ اب اس میں خدائی امن و سلامتی تمام کائنات پر چھا جاتی ہے اور تمام مخلوق اپنے خالق کی طرف رجوع ہوتی ہے، آدھی گزر چکی تھی کہ اس آبِ حیات[4] کا پیالہ پیاسے ہونٹوں سے لگا دیا گیا۔ آپ اپنے خیالات میں گم لیٹے ہوئے تھے کہ ایک آواز نے (ایسی آواز جیسے کسی مہیب سمندر کی موجوں سے پیدا ہوتی ہے) آپ کو پکارا اور پڑھنے کو کہا۔ دو مرتبہ آواز آئی۔ لیکن آپ نے توجہ نہ کی۔ اب ایک خوفناک بوجھ نے آپ کو دبا لیا اور جواب دینے پر مجبور کیا۔ "پڑھ!" آواز نے پکار کر کہا۔ "میں کیا پڑھوں؟" جواب آیا "اپنے رب کے نام سے پڑھ!"

جب آواز بتا چکی کہ کس طرح ایک ناچیز ابتدا سے انسان کو ہستی میں لایا گیا۔ اور

---

[1] پروفیسر مُلر۔ [2] جانسن "مذاہبِ مشرق" صفحہ ۵۶۱ [3] لیلۃ القدر [4] قرآن حکیم ۔

عقل اور علم دے کر کس طرح اس مہربان خدا نے اسے بلند کیا۔ اسے قلم سے وُہ کچھ بتایا جس کا اسے علم نہیں تھا۔ تو آنحضرتؐ اس عالم سے بیدار ہوئے، اور ایسا محسوس کیا جیسے وہ الفاظ جو آپ کی رُوح سے کہے گئے تھے۔ آپ کے دِل پر لکھے ہوئے موجود ہیں۔ آپؐ کے جسم پر کپکپی سی چھا گئی۔ آپ جلدی سے گھر گئے اور بیوی سے کہا "خدیجہ! مجھے کیا ہو گیا ہے؟" آپؐ لیٹ گئے اور وُہ آپ کی طرف دیکھتی رہیں۔ جب آپ کو ہوش آیا تو آپؐ نے فرمایا "خدیجہ! وہ شخص جس کے متعلق کوئی یقین نہیں کر سکتا (یعنی آپؐ) یا تو کاہن ہو گیا ہے یا اس کو جنون کا دَورہ ہُوا ہے" خدیجہ رضؓ نے کہا "خدا محفوظ رکھے۔ اے ابوالقاسم! وُہ یقیناً آپ کو اندوہگیں نہ کرے گا۔ کیونکہ آپ سچ بولتے ہیں۔ بُرائی کا بدلہ بُرائی سے نہیں دیتے۔ آپ ایماندار ہیں۔ آپ کی زندگی نیکیوں میں بسر ہوئی ہے، اور آپ اقربا اور دوستوں پر مہربانیاں کرتے ہیں۔ آپ بازاروں میں بیہودہ گفتگو بھی نہیں کرتے۔ آپ کو کیا ہُوا ہے۔ کیا آپؐ نے کوئی خوفناک بات دیکھی ہے؟" آنحضرتؐ نے فرمایا "ہاں!" اور جو کچھ آپؐ نے دیکھا تھا سب سُنا دیا۔ جس پر خدیجہؓ نے کہا "خوش ہو جایئے، اور طبیعت کو سنبھالئے۔ وُہ خدا جس کے ہاتھ میں خدیجہؓ کی جان ہے، میرا گواہ ہے کہ آپ اس زمانہ کے پیغمبر ہیں!"

پھر وہ اُٹھیں اور اپنے بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس گئیں جو بوڑھے اور نابینا تھے، اور یہود و نصاریٰ کی کتب مقدسہ کے عالم تھے۔ جب خدیجہؓ نے انہیں تمام واقعہ سُنایا تو وُہ پکار اُٹھے "قدّوس۔ قدّوس۔ پاک ہے پاک ہے۔ یقیناً یہی ناموس الاکبر ہے جو موسیٰؑ پر اُترا۔ محمدؐ اس زمانہ کا پیغمبر ہوگا۔ اسے بتا دو اور کہہ دو کہ دِل مضبوط رکھے۔"

سلطنتوں اور قوموں کی تباہی اور خاندانوں اور قبائل کے وحشیانہ شور و فساد کے درمیان ایک آواز فضا میں گونج رہی تھی ۔ مغرب سے مشرق تک اور شمال سے جنوب تک کہ خدا کا پیغام ظاہر ہونے والا ہے ۔ وہ گڈریا قریب پہنچ چکا ہے جو گلے کی بھولی بھٹکی بھیڑوں کو مالک کی آغوش میں لا ڈالے گا ۔ یہی آواز ورقہ کا دل بھی سن چکا تھا ، اور جب کچھ عرصے کے بعد یہ دونوں بازار میں ایک دوسرے سے ملے تو اس نابینا عالم نے جس نے یہود و نصاریٰ کے تمام صحائف اطمینان کی جستجو میں بے فائدہ چھان مارے تھے ، لیکن جو اس وعدہ کو جانتا تھا جو بنی نوع انسان کے ساتھ ایک نجات دہندہ کے لئے کیا گیا تھا اپنے ایمان کو اس طرح ظاہر کیا ۔" میں اس ذات کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس کے قبضے میں ورقہ کی جان ہے ، خدا نے تمہیں ان لوگوں میں سے پیغمبری کے لئے چن لیا ہے تم پر ناموس اکبر نازل ہوا ہے ۔ لوگ تمہیں جھوٹا کہیں گے ۔ تمہیں تکلیفیں پہنچائیں گے ۔ تمہیں جلاوطن کریں گے اور تمہارے ساتھ جنگ کریں گے ۔ کاش ! میں اس وقت تک زندہ رہتا اور تمہارے لئے جنگ کرتا ۔" پھر اس نے آپ کی پیشانی کو چوم لیا ۔ ان امید افزا کلمات نے آپ کی بیقرار روح کو تسکین دی اور کچھ عرصہ تک آپ اس آواز کے سننے کے لئے پھر ایک بیقرار دل کے ساتھ انتظار فرماتے رہے ۔ ان روحانی اذیتوں اور شبہات کا اور امید و یاس کی اس دماغی کشمکش کا جو باری باری سے آپ کے دل کو ایذا دیتے کچھ اندازہ اس امر سے ہوتا ہے کہ اپنی رسالت کا پوری طرح یقین ہونے سے پہلے آپ خودکشی پر آمادہ ہو گئے تھے حتیٰ کہ فرشتہ نے آپ کو اس فرض کی طرف متوجہ کیا جو بنی آدم کی طرف سے آپ پر عائد ہوتا تھا ۔ اور شبہات بے خوف

سے دُکھے ہوئے اس دل کو یقین اور اُمید کی ایک جھلک دکھائی اور وہ روشن مستقبل دکھایا جب آپ تمام دُنیا کو ایک سچے دین کے گرد جمع ہوتے دیکھنے والے تھے۔ اس بشارت نے آپ کو بچا لیا۔ چنانچہ آپ اپنے ضعیف دل اور ناتواں جسم کے ساتھ صحرا سے بھاگتے ہوئے اپنی جاں نثار بیوی کے پاس پہنچے اور کہنے لگے "مجھے چھپا لو، مجھے چھپا لو۔"

آپ کا خدا کے ساتھ تعلق ان خود غرض لوگوں کی طرح نہ تھا، جو اپنے آپ کو صحراؤں اور جنگلوں میں چھپائے پھرتے ہیں۔ اور صرف اپنے نفس کے لئے گوشہ نشینی اور امن کی زندگی اختیار کرتے ہیں بلکہ آپ کے سامنے ایک عظیم الشان مُہم تھی۔ آپ بنی نوع انسان کو بُت پرستی کی زنجیروں سے آزاد کرنے والے تھے۔ ایک دن جب آپ محویت کے عالم میں اُداس اور غمگین بیٹھے ہوئے تھے تو آپ کو آسمان سے ایک آواز نے پکارا۔ اسی طرح جس طرح آپ سے پہلے لوگوں کو پکارا گیا تھا۔ "اے پیغمبر! جو وحی کی ہیبت سے چادر لپیٹے ہوئے پڑے ہو، اُٹھو اور لوگوں کو (عذابِ خدا سے) ڈراؤ۔ اور اپنے پروردگار کی بڑائیاں بیان کرو۔" آپ اُٹھے اور اس کام کے لئے کمر باندھ لی جس کے لئے آپ کو بُلایا گیا تھا۔ اور اس کے بعد آپ کی زندگی کا ہر لمحہ بنی نوع انسان کی فلاح و بہبود کے لئے وقف ہو گیا۔ آپ نہایت ثابت قدمی سے ایذائیں سہتے رہے۔ تحقیر و توہین کے ستم اُٹھاتے رہے۔ مگر اصلاح و درستی کے راستے سے ایک قدم نہ ہٹے۔ خدیجہؓ سب سے پہلی ہستی ہیں۔ جنہوں نے آپ کا پیغام قبول کیا، بُت پرستی کو چھوڑا اور آپ کے ساتھ شامل ہو کر رحمٰن و رحیم خدا کے حضور میں سجدہ ریز ہوئیں۔ خدیجہؓ نہ صرف آپ پر اور آپ کے ایزدی پیغام پر ایمان لانے والی ملکہ آئندہ جدوجہد

میں آپ کی سچی دمساز تھیں اور روایت کہتی ہے۔ "جب آپ دِل شکستہ ہو کر گھر آتے تو خدا اُنہیں کے ذریعہ آپؐ کو تسلی دیتا۔ وُہ آپؐ کی ہمت بندھاتیں۔ آپ کے بوجھ کو آپ کے لئے ہلکا کر دیتیں۔ آپ کو اپنے ایمان کا یقین دلاتیں اور بتاتیں کہ لوگوں کی بیہودہ باتیں کس قدر بے وقعت ہیں۔"

حضورؐ شروع شروع میں صرف اپنے اقربا پر اپنے خیالات ظاہر کرتے رہے اور انہیں اپنے آباؤ اجداد کی تقلید سے باز رکھنے کی کوشش کرتے رہے۔ خدیجہؓ کے بعد علیؓ آپ کے پیرو ہوئے۔ آنحضرتؐ اکثر خدیجہؓ اور علیؓ کو لے کر دُور صحرا کی خاموشیوں میں چلے جاتے تاکہ مِل کر ربّ العٰلمین کی بے شمار نعمتوں کے لئے اپنے دلی جذباتِ تشکر پیش کریں۔ ایک دفعہ جب کہ یہ تینوں نماز میں مشغول تھے، ابوطالب اچانک آنکلے اور کہا۔ "اے بھتیجے! یہ کونسا مذہب ہے جس کی تم پیروی کرتے ہو؟" آنحضرتؐ نے جواب دیا۔ "یہ اللہ کا، اس کے فرشتوں کا، اس کے پیغمبروں کا اور ہمارے باپ ابراہیمؑ کا مذہب ہے۔ خدا نے مجھے اپنے بندوں کی طرف بھیجا ہے تاکہ میں اُن کو صراطِ مستقیم دکھاؤں۔ اور آپ اے چچا ان میں سے قابل ترین ہستی ہیں۔ یہ ضروری ہے کہ مَیں آپ کو یہ پیغام دُوں۔ اور یہ ضروری ہے کہ آپ سچائی کو قبول کریں، اور اس کے پھیلانے میں مدد دیں۔" ابوطالب نے ایک قوی اور مضبوط قدیم سامی کے حقیقی جوش کے ساتھ جواب دیا۔ "میرے بھتیجے! مَیں اپنے آباؤ اجداد کا مذہب نہیں چھوڑ سکتا۔ لیکن قسم ہے خدائے تعالےٰ کی جب تک میں زندہ ہوں کوئی شخص تجھے دُکھ دینے کی جرأت نہیں کر سکتا۔" پھر اپنے بیٹے علیؓ سے مخاطب ہو کر اس معزز رئیسِ خاندان نے پُوچھا کہ وُہ کس مذہب میں ہے۔" اُنہوں نے فرمایا

"میرے باپ! انہیں خدا پر اور اُس کے رسولؐ پر ایمان لے آیا ہوں اور اسی کی پیروی کرتا ہوں" ابوطالب نے کہا۔ "میرے بیٹے! وہ تجھے کسی طرف نہیں بُلائے گا مگر نیکی کی طرف۔ اِس لئے تم اس کی پیروی کرنے کے لئے آزاد ہو"

اس کے تھوڑا ہی عرصہ بعد زید بن حارث ایمان لائے۔ جنہوں نے باوجود آزاد ہو جانے کے آنحضرتؐ کا ساتھ نہ چھوڑا تھا اور ان کے بعد ایک معزز قریشی عبداللہ بن ابوقحافہ جو بعد میں ابوبکرؓ کے نام سے مشہور ہوئے۔ آپ قبیلہ تیم ابن مرّہ کے ایک ممتاز فرد اور دولت مند تاجر تھے۔ آپ نہایت معقول پسند متین، دانا، ایماندار اور ہر دلعزیز انسان تھے اور اپنے ہم عصروں میں بہت عزّت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ آپ رسُول اللہؐ سے صرف دو سال چھوٹے تھے۔ آپ کے بلا تامل ایمان لانے سے لوگوں پر بہت اچھا اثر پڑا۔ پانچ اور معزّزین نے آپ کی پیروی کی۔ قبیلہ بنی اُمیہ میں سے عثمان بن عفان جو بعد میں خلیفہ سوم ہوئے۔ عبدالرحمٰن بن عوف سعد بن ابی وقاص جن کے ہاتھوں ایران فتح ہُوا۔ اور زبیر بن عوام خدیجہؓ کے بھتیجے نے رسُولؐ اللہ کے پاس حاضر ہو کر اسلام قبول کیا۔ اور پھر طبقہ ادنیٰ کے کئی افراد داخل اسلام ہوئے تاریخ رسُولِ عربیؐ میں یہ ایک زرّیں باب ہے۔ ایسا باب جو آپ کی صداقت شعاری، آپ کی تعلیمات کی بدرجہٗ غایت پاکیزگی اور خدائے تعالیٰ پر آپ کے غیر معمولی ایمان و یقین پر دلالت کرتا ہے۔ کیونکہ سب سے پہلے آپ کی رسالت کی حقانیت کو قبول کرنے والے اور وحی و الہام پر یقین کرنے والے قریبی رشتہ دار اور گہرے دوست تھے۔ وہ لوگ جو ہر وقت آپ کے پاس رہتے تھے آپ کی زندگی کے ایک ایک لمحے سے واقف تھے۔ وہی آپ کے صادق اور وفادار ترین پیرو تھے۔ اگر ان لوگوں کو جو بہادر اور عاقل تھے،

اور جو یقیناً گلیل کے ماہی گیروں سے زیادہ تعلیم یافتہ تھے، نفسانیت یا دھوکے کا شائبہ تک نظر آجاتا یا اگر وُہ رسول اللہ کے ایمان کو ذرا بھی کمزور پاتے تو ایک لمحے میں آپ کی تمام اخلاقی اور معاشرتی اصلاحات کی اُمیدوں کو خاک میں مِلا دیتے۔ ان لوگوں نے آپ کے لئے ظلم و جور سہے، اپنے آپ کو خطرے میں ڈالا، جسمانی اذیتیں برداشت کیں اور معاشرتی تعلقات کے انقطاع کی تکالیف اُٹھائیں۔ یہاں تک کہ اپنی جانیں قربان کر دیں۔

تین طویل سالوں کے عرصہ تک آپ اپنی قوم کو بُت پرستی سے باز رکھنے کے لئے نہایت خاموشی سے مصروف رہے لیکن بُت پرستی کی جڑیں نہایت گہری گڑی ہوئی تھیں۔ اور پرانے مذہب میں جو دلکشیاں ان کے پیشِ نظر تھیں، وہ نئے پاکیزہ مذہب میں کہیں نظر نہ آتی تھیں۔ پرانا طریقہ عبادت قریش کے لئے فائدہ مند تھا۔ اور ان کی شہرت و عزت کا تمام تر انحصار اسے قائم رکھنے پر تھا۔ رسُول اللہ کو نہ صرف جمہور کی بُت پرستی سے مقابلہ کرنا پڑا جو صدیوں سے رسم و رواج اور توہم میں مبتلا چلا آتا تھا، بلکہ ان اُمراءِ حکومت سے بھی جو شہر کی قسمتوں کے مالک تھے، اور جو اپنی رعایا کی طرح کفر اور توہم پرستی میں مبتلا تھے برسرِ آنا پڑا۔ ان متخاصم قوتوں کی موجودگی میں حیرانی کی بات نہیں ہے کہ یہ جانبازانہ کوششیں صرف تیس پیرو بنا سکیں۔ لیکن اس عظیم الشان معلّم نے ہمت نہ ہاری۔ وہ اپنے قادرِ مطلق آقا پر بھروسہ کئے ہوئے جس کے احکام کی تعمیل وُہ کر رہا تھا، اپنی جگہ پر پختگی سے کھڑا رہا۔ اب تک رسولُ اللہ نہایت خاموشی سے اور بلا اصرار تبلیغ کرتے تھے۔ آپ کے ہمعصر حیرانی سے آپ کی طرف دیکھتے تھے۔ اب انہیں الامین کی صحتِ عقل پر شبہ ہونے لگا تھا۔ وہ آپ کو خبطی اور مجنوں سمجھنے لگے

تھے۔ لیکن ابھی کسی نے آپ کی تبلیغ میں رکاوٹ نہ ڈالی تھی۔ اب آنحضرتؐ نے تہیہ کر لیا کہ آپ قریش کو بت پرستی چھوڑنے کے لئے ایک دعوتِ عمومی دیں گے۔ اسی خیال سے آپ نے کوہِ صفا پر ایک مجمع کو بلایا۔ انہیں اپنے گناہوں کی طرف توجہ دلائی اور انہیں بتایا کہ ہاتھ کے بنائے ہوئے بتوں کو پوجنا کیسی غلطی ہے۔ انہیں اُن قوموں کے عبرت ناک حالات سُنائے جنہوں نے اپنے رسُولوں کی بات نہ سنی تھی۔ انہیں اپنی قدیم ناپاک عبادت چھوڑنے اور اس محبت، پاکیزگی اور صداقت کے مذہب کو قبول کرنے کی دعوت دی لیکن تمسخر اُڑانے والوں نے آپ کے الفاظ کا تمسخر اُڑایا نوجوان علیؓ کے جوش کو دیکھ کر ہنسے اور تضحیک و ملامت کرتے ہوئے چلائے۔ مگر تاہم اس انقلاب آفریں روح کے خوف سے جو انہیں کے درمیان سے اُٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ اُن کے دل لرز رہے تھے۔ اس طرح آپ آسمانی تنبیہ کو قریش تک پہنچانے میں ناکام رہے۔ اب آپ نے اپنی توجہ اُن نو واردوں کی طرف منعطف کی جو مکہ میں تجارت یا حج کی غرض سے آتے تھے۔ اور خدا کا پیغام اُن تک پہنچانے کی کوشش کی لیکن یہاں بھی قریش نے آپ کی کوششوں پر پانی پھیر دیا۔ جب حجاج شہر میں وارد ہونے شروع ہوئے تو قریش نے مختلف راستوں پر اپنے آدمی متعین کر دیئے جو تمام نو واردوں سے کہہ دیتے کہ محمدؐ سے کوئی کسی قسم کی گفتگو نہ کرے کیونکہ وہ نہایت خطرناک جادُوگر ہے۔ لیکن اس سازش کے نتائج قریش کی اُمیدوں کے بالکل خلاف نکلے۔ کیونکہ جب حجاج اور تاجر اپنے گھروں کو واپس گئے، تو اس عجیب اور جوشیلے ناصح کی بعثت کی خبر تمام علاقوں میں پھیل گئی جو اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر عرب کی تمام قوموں کو ان کے آبا و اجداد کی مروّجہ عبادت سے منع کر رہا تھا۔

قریش اس زعم میں تھے کہ محمد صلعم کو آپ کے اعزہ و اقربا چھوڑ دیں گے لیکن ابو طالب کی ایک غضب ناک ملامت نے ان کے ہوش بجا کر دیئے۔ یہ معمر بزرگ جس نے مخصوص ہٹ دھرمی سے کام لے کر اپنے قدیم مذہب کو چھوڑنے اور نئے کو اختیار کرنے سے صاف انکار کر دیا تھا۔ اس مصلح کے متعلق اپنے ہمعصروں کی بے انصافی اور تعصب کو دیکھ کر تڑپ اُٹھا۔ اور سچی صحرائی دلیری سے کام لے کر ایک قصیدہ لکھا جو ابھی تک تاریخ میں محفوظ چلا آتا ہے۔ اس میں قریش کی ان زبانی دیوہ پر ملامت کی جو وہ اُس شخص پر کرتے ہیں جو یتیموں اور بیواؤں کی خبر گیری کرتا ہے۔ الامین جو کبھی اپنے قول و فعل میں جھوٹا نہیں نکلا۔ اور آخر میں اعلان کیا کہ ہاشم اور مطلب کی اولاد کا بچہ بچہ اس معصوم کی حفاظت پر اپنی جان قربان کر دے گا۔ انہیں دنوں ایک یثربی رئیس نے قریش کی طرف ایک خط لکھا۔ اور ازمنۂ گزشتہ کی مثالیں دے کر سمجھایا کہ وہ خانگی جھگڑوں اور لڑائیوں میں پڑ کر اپنے آپ کو مصیبت میں نہ ڈالیں۔ انہیں مشورہ دیا کہ وُہ اس نئے مبلغ کی باتیں سنیں۔ ایک معزز آدمی نے ایک خاص مذہب اختیار کیا ہے۔ تم کیوں اس کے پیچھے پڑ گئے ہو؟ بھلا سوائے اس علام الغیوب کے کون انسان کے دل کی بات جان سکتا ہے؟" اس کے مشورہ نے قریش پر کچھ اثر ضرور کیا۔ اور ان کا طرزِ عمل کچھ تبدیل ہو گیا۔ لیکن کچھ مُدت کے بعد الزام و تذلیل اور گستاخیوں اور معمولی حملوں کی بجائے کھلم کھلا اور جان لیوا حملے ہونے لگے۔ دشمنوں نے آنحضرت کو کعبہ میں نماز ادا کرنے سے روک دیا۔ اور جہاں کہیں آپ جاتے وہاں آپ کا پیچھا کرتے۔ آپ اور آپ کے متبعین کو نماز کی حالت میں کیچڑ اور گندگی سے بھر دیتے۔ بچوں اور شہر کے اوباشوں کو آپ کی

تذلیل کے لئے پیچھے لگا دیتے۔ جن راستوں سے آپ اکثر گزرتے، ان پر کانٹے بکھیر دیتے۔ ان ظلم وجور کے کاموں میں آنحضرتؐ کے چچا ابولہب کی بیوی اُمِّ جمیل سب میں پیش پیش ہوتی۔ اور ان ظالموں میں سے سب سے زیادہ جوش کا اظہار کرتی ہر وہ جگہ جہاں سے آنحضرتؐ یا آپ کے پیرؤوں کا اکثر گزر ہوتا، کانٹوں سے بھر دیتی۔ اس کے اس خبیثانہ طرزِ عمل کے باعث اس کے لئے "ایندھن اُٹھانے والی"[1] کا لقب نازل ہوا۔

ان تمام آزمائشوں میں محمد صلعم کا پائے ثبات کبھی نہ ڈگمگایا۔ اپنی رسالت پر پورے یقین کے ساتھ آپ نہایت استقلال سے اپنا کام کرتے رہے۔ کئی مرتبہ قریش کے ہاتھوں آپ کی جان سخت خطرے میں پڑ گئی۔ ایک دفعہ آپ نے ان کے قاتلانہ جوش کو صرف اپنی طبیعت کی نرمی اور ضبط وتحمل سے روکا۔ لیکن اسلام کی اشاعت کے ساتھ ساتھ ظلم وجور میں بھی ترقی ہوتی گئی۔ "شہدا کا خون مذہب کا بیج ہوتا ہے۔" یہ مقولہ کسی خاص مذہب کے لئے مخصوص نہیں۔ محمد صلعم پر قریش کی سختیاں اور تعصب ودشمنی کو دیکھ کر بہادر حمزہؓ بہت متأثر ہوئے۔ آپ عبدالمطلب کے سب سے چھوٹے فرزند تھے۔ یہ جانباز، بہادر، نیک اور سچّا سپاہی جس کی شمشیر خارا شگاف سے تمام قریش لرزتے تھے۔ انہی دنوں آنحضرتؐ کے پاس حاضر ہو کر آپؐ پر ایمان لایا۔ اور اس وقت سے لے کر اسلام کا سچّا رفیق بن گیا۔ اور آئندہ زمانہ میں اس پر اپنی جان قربان کر دی۔

اس تمام ظلم وجور کے زمانہ میں آنحضرت اپنی گناہوں میں جکڑی ہوئی قوم کو معصیت ومکروہات سے باز رکھنے میں کبھی نہ رُکے۔ آپ دل وجان سے تبلیغ میں مشغول رہے۔ خدا تعالےٰ کے عذاب کے متعلق آپ کے الفاظ شعلوں کی طرح نکلتے اور

---

[1] حمالۃ الحطب۔

سُننے والوں کے دلوں میں اُتر جاتے۔ آپ انہیں عاد و ثمود کے قصے سُناتے جنھوں نے خدا کی تنبیہ پر کان نہ دھرے اور انہیں ایک دردناک عذاب نے آلیا، اور بتاتے کہ قوم نوحؑ کی بداعمالیوں پہ کس طرح غضب الٰہی نازل ہوا۔ آپ اُنہیں قدرت کے بے نظیر نظاروں: دوپہر کی چمک، اور رات کی جب وہ اپنا سیاہ پردہ پھیلا دیتی ہے، اور دن کی جب وہ اپنے شکوہ و جلال کے ساتھ ظاہر ہوتا ہے قسمیں دیتے اور کہتے کہ خدا کا پیغام سُنو، قبل اس سے کہ تمہیں ویسا ہی کوئی عذاب نازل ہو کر فنا کر ڈالے۔ آپ اُنہیں یوم الحساب سے ڈراتے۔ جب انسان کے اعمال اس ازلی منصف کے روبرو وزن کئے جائیں گے۔ جب ان بچّوں کی نسبت جو زندہ دفن کئے گئے تھے پوچھا جائے گا کہ انہیں کس جرم کی پاداش میں مارا گیا اور زمین اور آسمان کو لپیٹ لیا جائے گا۔ اور خدا کے سوا کوئی نزدیک نہ ہوگا۔ آپ عقبیٰ کی جزا و سزا کا بیان کرتے اور ان مادہ پرست لوگوں کے سامنے بہشت کی مسرتوں اور دوزخ کی عقوبتوں کا نقشہ کھینچ کر رکھ دیتے۔ آپ انہیں بتاتے کہ منکرین کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص اندھیری رات میں ایک مجمع کے درمیان آگ جلائے اور جب ان کے اردگرد کی تمام چیزیں چمک اُٹھیں تو خدا روشنی کو سلب کر لے اور انہیں اندھیرے میں چھوڑ دے۔ پھر وُہ کچھ نہیں دیکھ سکتے۔

"وہ بہرے گونگے اور اندھے ہیں، اور کسی طرح راہِ راست پر نہیں آسکتے۔"

"یا وُہ ان لوگوں کی طرح ہیں جنہیں تاریک بادلوں کا ایک ہیبت ناک طوفان آگھیرے، وہ موت کے خوف سے رعد کی کڑک سُن کر اپنے کانوں میں اُنگلیاں ٹھونس لیتے ہیں لیکن کُفّار خدا کی گرفت سے نہیں چھوٹ سکتے۔"

"بجلی ان کی آنکھوں کو چندھیا دیتی ہے۔ جب وُہ چمکتی ہے تو اس کی روشنی میں چلنے ہیں اور تاریکی چھا جاتی ہے تو ٹھہر جاتے ہیں۔ اگر اللہ چاہے تو یقیناً اُن کو شنوائی اور بینائی سے محروم کر سکتا ہے۔ بیشک اللہ ہر بات پر قادر ہے[1]۔"

کفار کے اعمال سراب کی طرح ہیں جیسے پیاسا (مسافر دُور سے) پانی سمجھتا ہے اور جب قریب جاتا ہے تو کچھ بھی نہیں پاتا لیکن وُہ خدا کو ہر سمت موجود پاتا ہے اور وُہ اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دینے والا ہے، اور بے شک خدا بہت جلد حساب کرنے والا ہے"۔

"یا (کفار کے اعمال) اس تاریکی کی طرح ہیں، جو عمیق سمندر پر پھیلی ہوئی ہو، موجوں پر موجیں سوار چلی جاتی ہوں، اور ان پر تاریک بادل تہ بہ تہ چھائے ہوئے ہوں۔ ایسی تاریکی کہ اگر انسان ہاتھ پھیلائے تو اُسے نہ دیکھ سکے۔ جسے اللہ نُور (ہدایت) عطا نہ کرے اسے کون نُور عطا کر سکتا ہے[2]۔"

ان بیانات نے لوگوں کو خوفزدہ کر دیا، اور بہت سے مسلمان ہو گئے۔ قریش کو اندیشہ ہُوا کہ آنحضرتؐ کی تبلیغ ایک خطرناک انقلاب کی صُورت اختیار کر رہی ہے۔ اُن کی عظمت وشہرت خطرہ میں تھی۔ وُہ ان بُتوں کے محافظ تھے جنہیں آپ فنا کر دینا چاہتے تھے۔ وُہ اس عبادت کے علم بردار تھے جسے آنحضرتؐ بُرا کہتے تھے یہاں تک کہ اُن کی اپنی ہستی پُرانے ضابطہ کو قائم رکھنے پر منحصر تھی۔ اُن کا خیال تھا کہ اگر آنحضرتؐ کی پیشینگوئیاں پُوری ہو گئیں، تو قبائلِ عرب میں ان کا تفوّق مٹ جائے گا۔ نئے رسُول کا طرزِ عمل بدرجۂ غایت جمہوری تھا۔ اس کے خدا کی زنجیروں میں تمام انسان برابر تھے۔ ان شخصی امتیازات کا مٹ جانا ان کی روایات کے منافی تھا۔ وُہ مساوات کو برداشت

[1] القرآن سُورۂ بقر [2] سورۂ نور۔

نہ کر سکتے تھے کیونکہ یہ اُن کو امتیازی حقوق سے محروم کرنے والی تھی۔ اس سے پہلے کہ یہ تحریک زیادہ زور پکڑ جائے اسے کچلنے کے لئے سخت تر وسائل اختیار کرنے کی ضرورت تھی۔ اب اُنہوں نے ایذا رسانی کا ایک منظم طریقہ اختیار کیا۔ ہر قبیلے نے اپنے حلقۂ اثر کے اندر نئے مذہب کو کچلنا شروع کیا تاکہ قانونِ انتقام کی خلاف ورزی نہ ہونے پائے۔ ہر گھرانہ اپنے اُن افراد خاندان ملازمین یا غلاموں کو اذیت دیتا جن کے متعلق مسلمان ہو جانے کا خیال ہوتا۔ آنحضرت جنہیں ابوطالب کی حمایت حاصل تھی، حضرت ابوبکر رضؓ اور چند دوسرے مسلمان جو یا تو خود بلند مرتبہ تھے یا کسی معزز قریش کی حمایت میں تھے، دشمنوں کی ایذا رسانی سے محفوظ رہے۔ لیکن دوسروں کو قید، فاقہ کشی اور جسمانی سزاؤں کی آماجگاہ بنایا گیا۔ رمضا کی پہاڑی اور بطحا وہ عقوبت زار تھے، جہاں یہ ظالمانہ کارروائیاں عمل میں آتی تھیں۔ وُہ مرد یا عورتیں جو بُت پرستی ترک کر دیتے، صحرا کی جلا دینے والی گرمی میں جھلستی ہوئی ریت پر ڈال دیئے جاتے۔ جب وہ پیاس کی وجہ سے جاں بلب ہو جاتے۔ تو اُنہیں بُت پرستی یا موت پیش کی جاتی۔ بعض آدمی ان عقوبتوں سے بچنے کے لئے اقرار کر لیتے۔ لیکن پھر فوراً ہی جا کر اپنے دین کی تجدید کر لیتے۔ لیکن ان میں اکثر و بیشتر وُہ لوگ تھے جو نہایت استقلال سے اپنی بات پر قائم رہتے۔ انہی لوگوں میں اسلام کے پہلے مؤذّن بلال رضؓ تھے۔ ان کا مالک امیّہ بن خلف ہر روز انہیں دوپہر کے وقت بطحا میں لے جاتا۔ ننگی پیٹھ پر انہیں سُورج کی طرف مُنہ کر کے لٹا دیتا اور سینے پر ایک بھاری پتھر رکھ کر کہتا "تُم اسی حال میں رہو گے جب تک تمہاری جان نہ نکل جائے یا تم اسلام سے توبہ نہ کرو" لیکن بلال رضؓ جو اس بھاری بوجھ کے نیچے نیم جان پڑے ہوئے اپنے پیاسے اور خشک ہونٹوں سے احدٌ احدٌ کے سوا کوئی جواب نہ دیتے۔ کئی روز تک یہی عمل ہوتا رہا۔ اور

یہ مظلوم موت کے کنارے تک پہنچ چکے تھے کہ حضرت ابوبکر رضؓ نے انہیں خرید لیا۔ آپ اس سے قبل بھی ایسے چھ غلام آزاد کرا چکے تھے۔ یاسر اور اُن کی بیوی سُمیہ کو ایسے ہی دردناک عذابوں سے مار ڈالا گیا۔ اور ان کے بیٹے عمار کو نہایت خوفناک ایذائیں دی گئیں۔ آنحضرتؐ نے اکثر اپنے متبعین کی ان تکالیف کا عینی مشاہدہ کیا۔ وُہ تکالیف جو ایسے صبر و تحمل سے برداشت کی گئیں، جو اِن سچائی کے راستے میں شہید ہونے والوں کو زیب دیتی تھیں، اسلام کی ابتدائی تاریخ ان شہداء کے ذکر سے بھری پڑی ہے۔[1]

قریش اکثر آنحضرت کے پاس جاہ و حشمت کی تحریص لے کر انہیں جادۂ فرضی کے بھٹکانے کے لئے آتے۔ مؤرخ لکھتا ہے کہ ایک دن آپ کعبہ میں مخالف رؤسا کے گروہ سے الگ بیٹھے ہوئے تھے کہ ان میں سے ایک آدمی عتبہ بن ربیعہ آپ کے پاس آیا اور کہا "اے میرے بھائی کے بیٹے! تو ہم میں اپنے حسب و نسب اور خوبیوں کی وجہ سے ممتاز ہے۔ لیکن اب تُو نے ہمارے درمیان افتراق کا بیج بو دیا ہے۔ ہمارے گھروں میں ناچاقیاں پیدا کر دی ہیں۔ تو ہمارے دیوتاؤں اور دیویوں کو بُرا کہتا ہے اور ہمارے آباؤ اجداد کو ناپاکی کا الزام دیتا ہے۔ ہم تیرے سامنے ایک تجویز پیش کرنا چاہتے ہیں۔ اگر تو اس کو قبول کرے تو اس میں تیری ہی بھلائی ہے۔" آنحضرتؐ نے فرمایا "کہو ابوالولید! میں سُن رہا ہوں۔" عتبہ نے کہا۔ "اگر تو اپنے اس طرزِ عمل سے دولت پیدا کرنا چاہتا ہے تو ہم تجھے اتنی دولت جمع کر دیتے ہیں کہ ہم میں سے کسی کے

---

[1] خبیب بن عدی جنہیں دھوکے سے قابو کر کے قریش کے پاس فروخت کیا گیا تھا، ان کے جسم سے بحالتِ زندگی نہایت وحشیانہ طریق پر گوشت کے ٹکڑے کاٹے جا رہے تھے کہ کسی شخص نے کہا۔ خبیب! کیا تم چاہتے ہو کہ تمہاری بجائے محمدؐ کے ساتھ یہ سلوک کیا جائے۔ آپ نے جواب دیا "میں اپنا مال و دولت اور بیوی بچوں میں اس شرط پر بھی جانا پسند نہیں کرتا کہ محمدؐ کو ایک کانٹا بھی چبھویا جائے۔"

پاس اتنی نہ ہوگی۔ اگر تو شوکت و حشمت کا طلبگار ہے تو ہم تجھے اپنا سردار بنانے کو تیار ہیں، اور تیرے حکم کے بغیر کوئی بات نہ کریں گے۔ اگر تو مملکت کا خواہشمند ہے، تو ہم تجھے اپنا بادشاہ بنائیں گے۔ اور اگر تجھ پر کسی سایہ کا اثر ہے تو ہم قابل ترین حکماء کو بلائیں گے اور انہیں اُس وقت تک مال و دولت دیتے رہیں گے جب تک وہ تجھے پوری طرح صحت یاب نہ کر دیں۔" اور جب وہ چپ ہوا تو آنحضرتؐ نے فرمایا۔ "اے ابو ولید! کیا تم اپنی بات ختم کر چکے۔" اس نے کہا "ہاں!" آپ نے فرمایا۔ تو سُنو۔" میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو رحم کرنے والا اور مہربان ہے۔ یہ کتاب خدائے رحمٰن نے نازل فرمائی ہے۔ اس کی آیات عربی میں ہیں جو صاف طور پر تمہاری سمجھ میں آسکتی ہیں۔ اس میں ان لوگوں کے لئے ہدایات ہیں جو سمجھنے کی اہلیت رکھتے ہیں۔ اس میں بشارتیں ہیں اور عذاب کے وعید ہیں۔ لیکن لوگوں میں سے اکثر مُنہ پھیر لیتے ہیں اور اس پر کان نہیں دھرتے اور کہتے ہیں کہ جس بات کی طرف تو ہمیں بُلاتا ہے وہ ہماری سمجھ میں نہیں آتی۔ ہمارے کان بہرے ہیں، اور تیرے اور ہمارے درمیان ایک پردہ ہے۔ اس لئے جیسا تو بہتر سمجھتا ہے ویسا ہی کئے جا، اور ہم اپنے ہی خیالات کے مطابق عمل کریں گے۔ لیکن میں بھی تمہاری طرح ایک انسان ہوں مگر مجھے وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود صرف وہی ایک خدا ہے۔ اس لئے سیدھے اس کی طرف جاؤ اور اس سے اپنے گزشتہ افعال کی معافی مانگو، اور افسوس ہے مشرکوں پر جو خیرات نہیں دیتے اور عقبیٰ پر ایمان نہیں رکھتے۔ البتہ وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے ان کے لئے بہت بڑا اجر ہے۔ جو کبھی ختم نہ ہوگا۔[1] جب آپ ختم کر

---

[1] حٰمٓ السجدہ۔

چکے تو فرمایا "اے عتبہ! تم سُن چکے، اب جو راستہ تمہیں بہتر معلوم ہوتا ہے وُہ اختیار کر لو۔"

آپ کو اپنے متبعین کی تکالیف دیکھ دیکھ کر بہت صدمہ ہوتا جو وقت کے ساتھ ساتھ سخت سے سخت تر ہوتی جا رہی تھیں۔ اس لئے آپ نے ان کو ہدایت کی، کہ وہ حبشہ کی ایک عیسائی سلطنت میں جہاں ایک نیکدل بادشاہ حکومت کرتا تھا۔ اس وقت تک پناہ لیں جب تک کہ خدائے تعالےٰ اپنے فضل و کرم سے قریش کے خیالات کو تبدیل نہ کر دے۔ آپ نے سُنا تھا کہ یہ منصف مزاج عیسائی حکمران نہایت بے تعصب اور مہمان نواز ہے اور آپ کو اُمید تھی کہ وہ یقیناً آپ کے پیرووں سے مدارات سے پیش آئے گا۔

اس تجویز پر فوراً عمل کیا گیا اور قریباً پندرہ آدمی نجاشی کے مُلک کو ہجرت کر گئے۔ تاریخ اسلام میں یہ پہلی ہجرت کہلاتی ہے جو بعثت نبوت کے پانچویں سال ۶۱۵ء میں عمل میں آئی۔ وقتاً فوقتاً ان کے دوسرے مطلوبہ بھائی بھی ان سے جا ملے یہاں تک کہ کُل تعداد ۸۳ مرد اور ۱۸ عورتوں تک پہنچ گئی۔ لیکن قریش کی عداوت و خصومت نے یہاں بھی ان کا پیچھا نہ چھوڑا۔ وہ اپنے شکار کے ہاتھوں سے نکل جانے پر غضبناک ہو گئے۔ اور ایک وفد نجاشی کے پاس بھیج کر اپنے باغیوں کی حوالگی کا مطالبہ کیا تاکہ اُنہیں موت کے گھاٹ اُتار دیا جائے۔ ان مفرورین پر اہم ترین الزامات اپنے پُرانے مذہب کو ترک کرنا، اور نئے مذہب کو اختیار کرنا تھے۔ نجاشی نے تمام مہاجرین کو اپنے دربار میں بُلایا اور پُوچھا "کیا تمہارے دشمنوں کے بیانات صحیح ہیں، اور وہ کون سا مذہب ہے جس کے لئے تم نے اپنا پہلا مذہب چھوڑ دیا ہے۔ اور نہ میرا

مذہب اختیار کیا ہے اور نہ کسی اور قوم کا۔"

جعفر بن ابو طالب جو مہاجرین کی نمائندگی کر رہے تھے، اس طرح گویا ہوئے:۔
عالیجاہا! ہم لوگ جہل و بربریت میں ڈوبے ہوئے تھے۔ ہم بتوں کو پوجتے تھے، ہم نفس پرست تھے۔ ہم مردار کھاتے تھے، ہم فحش گو تھے۔ انسانیت کے تمام احساسات ہم میں سے مفقود ہو چکے تھے۔ مہماں نوازی اور ہمسائیگی کے تمام حقوق ہم بھلا چکے تھے، ہم سوائے طاقت کے اور کسی قانون کو نہ جانتے تھے، کہ خدائے تعالیٰ نے ہم میں سے ایک انسان پیدا کیا جس کے حسب و نسب، راست گوئی، ایمانداری اور پاکیزگی سے ہم واقف ہیں۔ اُس نے ہمیں خدا کی وحدانیت کی طرف بلایا اور بتایا کہ اس کے ساتھ کسی اور کو شریک نہ کریں۔ اس نے ہمیں بت پرستی سے منع کیا۔ ہمیں سچائی، ایمانداری، رحم اور حق ہمسایہ ادا کرنے کی تلقین کی۔ اس نے ہمیں عورتوں کو بُرا کہنے سے اور یتیموں کا مال کھانے سے منع کیا۔ اس نے ہمیں بدیوں اور گناہوں سے بچنے کا، نماز پڑھنے، زکوٰۃ دینے اور روزہ رکھنے کا حکم دیا۔ ہم اس پر ایمان لائے۔ اس کی تعلیمات کو قبول کیا۔ ہم خدا کی پرستش کرتے ہیں اور کسی کو اس کا شریک نہیں ٹھہراتے۔ یہی وجہ ہیں جن کی بنا پر ہماری قوم کے لوگ ہمارے خلاف اُٹھ کھڑے ہوئے ہیں، ہمیں ظلم و جور کا نشانہ بناتے ہیں، اور ایک خدا کی پرستش سے پھیر کر لکڑی، پتھر کے بتوں کی پرستش اور کفر کی طرف لے جانا چاہتے ہیں۔ انہوں نے ہمیں یہاں تک عذاب و اذیت میں مبتلا کیا کہ ہم تنگ آ کر تیری سلطنت میں پناہ گزیں ہوئے ہیں اور ہمیں اُمید ہے کہ تو ہمیں اُن کے ظلم سے بچالے گا۔"

قریش کے مطالبات رد کر دیئے گئے۔ اور وہ ناکام و نامراد مکہ کو واپس چلے گئے۔

جس زمانہ میں آنحضرتؐ کے پیرو دوسرے ممالک میں اپنے دشمنوں سے پناہ تلاش کر رہے تھے، آنحضرتؐ خود تمام مصائب و آلام میں نہایت استقلال سے رسالت کے فرائض انجام دیتے رہے۔ قریش ایک دفعہ پھر عزت و دولت کے مواعید کے ساتھ آئے۔ لیکن آپ نے ویسا ہی پُر از ایمان و ایقان جواب دے کر انہیں پھیر دیا۔ "میں دولت و عزت اور سلطنت کا خواہش مند نہیں ہوں۔ میں خدائے تعالےٰ کا فرستادہ ہوں، جس نے مجھے بشارتوں کے ساتھ بھیجا ہے۔ میں تمہیں خدا کا کلام سُناتا ہوں، اور تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ اگر تم نے میرا لایا ہوا پیغام قبول کر لیا۔ تو خدا دُنیا اور آخرت میں تمہارا بھلا کرے گا۔ اور اگر تم نے اسے قبول نہ کیا تو میں صبر کروں گا یہاں تک کہ خدا میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ کر دے۔" قریش نے ان باتوں کو تضحیک و تمسخر میں اُڑا دیا اور عیارانہ مطالبات سے آپ کی تعلیم کا ابطلان کرنا چاہا لیکن آپ کا توکّل و ایمان ان کے تمام مادہ پرستانہ کفر پر غالب رہا۔ وہ آپ سے کہتے کہ صحرا میں چشمے اور دریا بہا دو۔ آسمان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے زمین پر گراؤ۔ پہاڑیوں کو اپنی جگہ سے سرکا دو۔ ایک سونے کا گھر تعمیر کرو۔ یا ایک سیڑھی کے ذریعہ آسمان پر چڑھ کر دکھاؤ۔ یہ لوگ ایک پُرانے قصّے کو دُہرا رہے تھے، فرق صرف اس قدر تھا کہ حضرت عیسےٰؑ کے اپنے حواری آپ کو معجزہ دکھانے پر مجبور کرتے تھے۔ تاکہ انہیں ان کی رسالت کا یقین آئے۔ پروفیسر مومری لکھتے ہیں "حضرت عیسےٰ کے حواریوں نے آپ کو اور آپ کے کام کو کبھی نہ سمجھا۔ وہ آسمان سے آگ برسانے کی فرمائش کرتے۔ ان سے یہودیوں کا بادشاہ ہونے کا اعلان کرانا چاہتے۔ کوئی ان کے تخت کے دائیں طرف اور کوئی بائیں طرف بیٹھنے کی خواہش کرتا۔ اور کوئی آسمانی باپ (خدا)

کو اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتا۔ ہر بات جو آپ کے مطمح نظر کے خلاف ہوتی یا تو خود کرنا چاہتے یا ان سے کرانا چاہتے تھے۔ یہی سلوک وُہ اُس وقت تک کرتے رہے اور جب انجام آن پہنچا تو سب آپ کو چھوڑ کر بھاگ گئے۔"

ان مذبذب اور غیر مطمئن لوگوں کو جو عجائبات کی خواہش میں قریش سے کسی طرح کم نہ تھے اور جنہوں نے حضرت عیسیٰؑ کی متبرک ہستی کو ایک ایسے پردے میں چھپا دیا ہے کہ موجودہ مادہ پرست عیسائیت بھی اسے ہٹا نہیں سکتی، آپ (مسیح علیہ السلام) بعض اوقات غصے میں بدکار لوگوں کو کہا کرتے تھے کہ جو معجزات ڈھونڈتے اور چاہتے ہیں انہیں کوئی معجزہ نہ دکھایا جائے گا۔ کیونکہ جو لوگ حضرت موسیٰؑ اور دُوسرے پیغمبروں پر ایمان نہیں لاتے، اُن کے سامنے اگر مُردے کو بھی جلایا جائے گا تو وہ تو نہیں کرینگے۔

رسول عربی کے متبعین میں ایک یہ بھی فوقیت تھی کہ اُنہوں نے کبھی اپنے آقا سے معجزات کی فرمائش نہیں کی۔ وہ عالم، تاجر اور سپاہی آپ کی تعلیمات کے اخلاقی پہلو مدنظر رکھتے تھے۔ وہ اپنے بے یارومددگار رسُول کے گرد جمع ہو گئے اور اپنے تمام دنیاوی مفاد اور دُنیاوی اُمیدوں کو قربان کر دیا۔ وہ آپ کے ساتھ زندگی اور موت میں اس ثابت قدمی کے ساتھ وابستہ رہے کہ تاریخ عالم میں اس کی مثال ملنی محال ہے

ایسے زمانے میں جب کہ معجزات کا کسی ادنےٰ سے ادنےٰ بزرگ کے اشارے پر ہو جانا ایک معمولی بات سمجھی جاتی تھی۔ اور جب صرف عرب میں بلکہ ان ہمسایہ ممالک میں جہاں کی تہذیب بہت زیادہ ترقی یافتہ تھی۔ تمام فضا مافوق العادات سے پُر ہو رہی تھی۔ آزادی خیال کا یہ عظیم الشان علمبردار اُن معجزہ کے طلبگار کفار کو بلا تامل جواب دیتا ہے۔" خدا نے مجھے عجیب و غریب کام کرنے کے لئے نہیں بھیجا۔ بلکہ اس نے مجھے

تمہاری ہدایت کے لئے بھیجا ہے۔

"کیا میں جو رسُول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ انسان سے کچھ زیادہ ہوں۔ زمین پر فرشتے آباد نہیں ورنہ خدا کسی فرشتہ کو ان کی ہدایت کے لئے بھیجتا۔ میں نے کبھی دعویٰ نہیں کیا کہ خدا کے خزانے میرے قبضے میں ہیں یا مجھے غیب کا علم ہے یا میں کوئی فرشتہ ہوں، میں جو اپنی آپ مدد نہیں کر سکتا نہ مجھے اپنے آپ پر بھروسہ ہے جب تک اللہ نہ چاہے"۔

کوئی غیر معمولی دعویٰ نہیں، کوئی مبالغہ آمیز گفتگو نہیں۔ اور اپنی ہستی اور اعمال کے متعلق کوئی افسوں گرانہ حیلہ نہیں۔ آپ ہمیشہ یہی الفاظ دُہراتے ہیں کہ میں صرف خدا کے الفاظ سُنانے اور بنی نوعِ انسان کے پاس خدا کا پیغام لانے والا ہوں۔ شروع سے آخر تک کوئی جملہ ایسا نہیں، جس میں انسانی پرستش کی استدعا کا کوئی پہلو نکل سکے۔ شروع سے آخر تک آپ کے متین بیان میں کسی قسم کا تغیّر و تبدّل نہیں۔ جو اس زمانہ کے حالات کو مدّ نظر رکھتے ہوئے نہایت حیرت انگیز ہے۔ شروع سے آخر تک ان کا طرزِ عمل اپنے خالق کے سامنے عجز و انکسار سے پُر ہے اور عروج و سربلندی کے اوقات میں بھی آپ کے جذبات خاکساری اور ممنونیت کے ہیں۔

"شروع اللہ کے نام سے جو نہایت رحم کرنے والا اور مہربان ہے۔ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب اللہ ہی کی تسبیح و تقدیس کرتا ہے۔ جو بادشاہ پاک ذات غالب اور حکمت والا ہے۔ وہ وہی تو ہے جس نے عرب کے جاہلوں میں سے ایک پیغمبر بنا کر بھیجا جو اُن کو خدا کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سُناتا ہے، ان کو پاک

کرتا ہے۔ انہیں کتابِ الٰہی اور حکمت کی باتیں سُناتا ہے۔ ورنہ اس سے پہلے یہ لوگ صریح گمراہی میں مبتلا تھے۔ یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے عطا کرے اور اللہ کا فضل بہت بڑا ہے"۔

پیغمبرِ اسلام کسی مافوق العادت قوت کا دعویٰ نہیں کرتا اور اپنی صداقت کے ثبوت میں صرف اپنی تعلیمات پیش کرتا ہے۔ وہ اپنی تنبیہات کو مؤثر بنانے کے لئے معجزات کی آڑ نہیں ڈھونڈتا۔ وُہ قدرت کے عجائبات کو ہستیٔ باری تعالےٰ کے ثبوت میں پیش کرتا ہے۔ وُہ انسان کی سادگی اور کمزوری کی بجائے اس کے ضمیر اور عقل سے خطاب کرتا ہے۔ "تم اپنے اِردگرد ہی دیکھو۔ یہ حیرت انگیز دُنیا، یہ سُورج، چاند اور ستارے جو آسمان کے اس نیلے گنبد پر نہایت تیزی سے اپنے مقررہ راستے پر چلے جاتے ہیں، کائنات کی یہ تنظیم اور پابندیٔ قانون، یہ بارش جو مُردہ زمین کو زندہ کر دیتی ہے۔ فائدہ مند مال سے لدے ہوئے جہاز، جو سمندر پر تیرتے پھرتے ہیں، از زین پھلوں سے لدے ہوئے کھجور کے درخت، کیا یہ تمہارے لکڑی اور پتھر کے دیوتاؤں کے کام ہیں؟

نادانو! کیا تم نشان چاہتے ہو جبکہ تمام کائنات نشانات سے بھری پڑی ہے۔ تم اپنے جسم کی بناوٹ دیکھو۔ کس قدر حیرت انگیز ہے، اور کس خوبی سے اُسے ترتیب دی گئی ہے۔ رات اور دن زندگی اور موت کی تبدیلیوں پر غور کرو۔ تمہاری نیند اور بیداری اور خدا کی بے شمار نعمتیں، ہوائیں جو پانی سے لدے ہوئے بادلوں کو خدا کے فضل وکرم کے ان نشانات کو اُڑائے لئے جاتی ہیں۔ کیا یہ نشانات ایک مالک وخالق کی ہستی کا کافی ثبوت نہیں؟

پیغمبرِ اسلام کے نزدیک قدرت خود ایک الہام اور معجزہ ہے ؎

ہر گیاہے کہ از زمیں روید ۔۔۔ وحدہٗ لاشریک لہٗ گوید

ازبسکہ یہ وحدانیت کا پیغام بر فطرت کا پیغمبر تھا۔ اخلاقیات کی طرف اُس کی دعوت اور توحیدِ الٰہی کے متعلق اس کی دبی ہوئی تڑپ کا انحصار اس محیطِ کُل قانون کی ذہنی و عقلی پہچان اور اس ایک ظاہر و باہر نفس اور اس ایک طاقت پر ہے جو کائنات کے توازن ہدایت اور انتظام کی ذمہ دار ہے۔ آنحضرتؐ کا عظیم الشان معجزہ وُہ کتاب ہے جس میں آپ نے ایک الہامی زبان میں فطرت ضمیر اور رسالت کے تمام انکشافات کو بیان کر دیا۔ اے منکر لوگو! کیا تم اس سے بھی بڑا معجزہ چاہتے ہو۔ کہ تمہاری اکھڑ زبان میں ایک بے مثال کتاب نازل کی گئی جس کی ایک ایک آیت نے تمہاری تمام شاعری کو اور تمہارے معلّقات کو گرد کر دیا۔ اور جس میں تمام کائنات کے لئے رحم و کرم کی بشارتیں ہیں اور تجبر و بغاوت کے لئے وعید ہیں۔

لیکن آپ کی تمام پند و نصائح کے لئے قریش کے کان بہرے تھے۔ وُہ خدا کے نشانات کے لئے اندھے تھے۔ وُہ کارخانۂ قدرت میں ہستی باری تعالےٰ کو دیکھ نہ سکتے تھے۔ وہ اپنے ناصح کی آواز سُن نہ سکتے تھے جو انہیں نیکی کی طرف بُلاتا تھا۔ اور انہیں ان کے اسلاف کے جرائم و مکروہات سے پھیرنا چاہتا تھا۔ ان کے کینہ پرورانہ جواب میں وُہ رُوح تھی جس کی مثال صرف قدیم آریاؤں اور فلیجیوں ہی میں مِل سکتی ہے۔ وہ کہتے " اے محمدؐ! جان رکھ ہم تیری مخالفت سے اُس وقت تک نہ ٹلیں گے جب تک ہم دونوں میں سے کوئی ایک فنا نہ ہو جائے "۔

انہیں دنوں ایک ایسا واقعہ پیش آیا جسے مسلمان مؤرخین اور آنحضرتؐ

کے عیسائی سوانح نگار مختلف طریقوں سے بیان کرتے ہیں۔ ایک روز آپ پر وحی کی حالت طاری تھی، اور آپ خانہ کعبہ میں وہ چند آیات تلاوت فرما رہے تھے جو اب قرآن کی ۵۳ ویں سورت کا ایک جزو ہیں۔ جب آپ ان الفاظ پر پہنچے، کیا تم نے لات عزیٰ اور تیسرے منات کے متعلق غور کیا؟ ایک بت پرست جو پاس ہی سن رہا تھا اور جسے روایات نے اب شیطان میں تبدیل کر دیا ہے۔ ان کا بطلان کرنے والی آئندہ آیت کا اندازہ کئے بغیر پکارا۔ "یہ بلند مرتبہ دیویاں ہیں اور خدا سے ان کی شفاعت کی اُمید کی جا سکتی ہے۔" بعض نے ان الفاظ کو بھی وحی کا جزو سمجھا اور قریش اپنی اس شرارت یا رسول اللہ کی رعایت سے خوش ہو کر آپ کے پاس حاضر ہوئے اور ایسی شرائط کے منظور کرنے پر آمادگی ظاہر کی۔ جب آنحضرتؐ کو اس معاملہ کا علم ہوا۔ تو آپ فوراً پکار اُٹھے: "وہ صرف نام ہی نام ہیں جو تم لوگوں نے اور تمہارے آبا و اجداد نے وضع کر لئے ہیں۔" یہ بیان مسلمان مؤرخین کا ہے۔ عیسائی سوانح نگاروں کے نزدیک یہ واقعہ قریش کے ساتھ اس جھگڑے کو کسی حیلے ختم کرنے کے لئے آنحضرتؐ کی ایک لمحاتی خواہش خیال کی جاتی ہے۔ متعصبین اسے "عیب" اور "پستی" سے تعبیر کرتے ہیں۔ لیکن شریف اور غیر متعصب مؤرخین اس واقعہ سے رسولِ عربیؐ کی ہستی کو روشن تر کر دیتے ہیں۔ ظلم و جور میں روز بروز ترقی ہو رہی تھی۔ آپ کے متبعین کی تکالیف میں اضافہ ہو رہا تھا اور شہر کی تمام آبادی مسلّح ہو کر آپ کے مقابلہ پر آ گئی تھی۔ آپ کو اپنے متبعین کی حالت دیکھ دیکھ کر سخت رنج ہوتا تھا۔ بت پرستی اور اس طویل جنگ نے آپ کو غمزدہ بنا دیا تھا۔

اس اعلان پر کہ لات، عزیٰ اور منات صرف نام ہی نام ہیں، ظلم و جور دُگنے

جوش سے بھڑک اُٹھا۔ لیکن خدائے تعالےٰ کی امداد پر بھروسہ کرتے ہوئے اور ان ہدایات کے سہارے جو فرشتہ رحمت آپ کے دِل میں ڈال رہا تھا۔ دشمنوں کے ظلم و جور آپ کو اپنے کام سے باز نہ رکھ سکے۔ ان تمام مخالفتوں کے باوجود نئی تعلیمات آہستہ آہستہ لیکن یقینی طور پر بڑھتی گئیں۔ سچائی کے بیج جو اِس خوبی سے بوئے گئے تھے، ثمر در ہونے سے نہ رہ سکتے تھے۔ صحرا کا وحشی عرب یا دُور دراز شہروں کا تاجر باشندہ جو کوئی بھی قومی میلے پر آتا، اس عجیب و غریب شخص کی باتیں سُنتا جسے اس کے دشمن مجنون کہتے تھے۔ اس کی پاک تعلیمات کو سُنتا جو اس کی رُوح کی گہرائیوں سے نکلتی تھیں۔ جب وُہ اسے بُتوں پر، توہم پرستی پر اور بدکرداریوں پر لوگوں کو لعنت مُلامت کرتے سُنتا تو خوف و حیرت میں غرق ہو جاتا اور اپنے دُور دراز علاقوں میں ایک نئی روشنی اور نئی زندگی کا حامل ہو کر جاتا حالانکہ اسے خود اس بات کا علم نہ ہوتا۔ وہ تمام ہجویات اور گالیاں جن کا مورد آنحضرتؐ کے دشمن آپ کی ذات کو بناتے، آپ کی تعلیمات کی شہرت کو وسیع تر کر دیتیں۔

اس اثنا میں مکّہ والے بھی بے کار نہ رہے۔ کئی مرتبہ اُنہوں نے ابوطالب کے پاس وفد بھیجے کہ وُہ اپنے بھتیجے کو ان کے مذہب کی مخالفت سے روک دیں۔ شروع میں تو ابوطالب اُنہیں خُلق اور نرمی سے واپس کر دیتے رہے۔ لیکن جب کفر و ناپاکی کے خلاف آنحضرتؐ کی آتش بیانی جاری رہی تو قریش نے آپ کو کعبہ میں داخل ہونے کی ممانعت کر دی اور سب اکٹھے ہو کر آپ کے چچا کے پاس آئے اور کہا "ہم آپ کی بزرگی اور مرتبہ کا لحاظ کرتے ہیں۔ لیکن آخر اس لحاظ کی کوئی حد بھی ہے۔ آپ کا بھتیجا ہمارے دیوتاؤں اور ہمارے آباؤ اجداد کے متعلق گستاخانہ کلمات کہتا ہے اور ہم اسے برداشت نہیں کر سکتے۔ اس لئے یا تو اُسے ایسا کرنے سے روک دیجئے یا خود اس کے ساتھ

شامل ہو جائیے۔ تاکہ تلوار ہمارے درمیان فیصلہ کر دے۔ اور دونوں میں سے ایک گروہ نابود ہو جائے"۔ یہ کہہ کر وہ رخصت ہو گئے۔ ابوطالب کو نہ تو اپنی قوم سے جدا ہونا گوارا تھا، اور نہ وہ اپنے بھتیجے کو کفار کے سپرد کرنا چاہتے تھے۔ آپ نے آنحضرتؐ کو بلایا اور قریش کی باتوں سے مطلع کرنے کے بعد اس کام کو چھوڑ دینے کی التدعا کی۔ آنحضرتؐ نے خیال کیا کہ چچا اپنی حمایت سے دست بردار ہونا چاہتے ہیں۔ لیکن اس نازک وقت میں بھی اولوالعزمی نے آپ کا ساتھ نہ چھوڑا۔ آپ نے مضبوطی سے فرمایا، "چچا! اگر یہ لوگ میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند رکھ دیں اور مجھے اس کام سے باز رکھنا چاہیں تو میں پھر بھی باز نہ آؤں گا۔ یہاں تک کہ خدا تعالےٰ کا منشا پورا ہو جائے یا میں اس کوشش میں فنا ہو جاؤں"۔ لیکن آپ اپنے چچا کے طرزِ عمل سے مغموم سے ہو گئے۔ اور واپسی کے لئے پلٹے ہی تھے کہ چچا نے بُلا کر کہا، "جو کچھ تمہارا دِل چاہتا ہے کہے جاؤ۔ خدا کی قسم ہے میں تمہیں ہرگز نہ چھوڑونگا نہیں کبھی نہیں"۔ قریش نے ایک مرتبہ اور کوشش کی کہ ابوطالب بھتیجے کو اُن کے حوالے کر دیں۔ اُنہوں نے قبیلۂ مخزوم کا ایک نوجوان آنحضرتؐ کے تبادلہ میں دینا چاہا لیکن یہ کوشش بھی رائگاں گئی۔ بھتیجے کی حمایت میں ابوطالب کی آمادگی نے اُن کو اور خشمناک کر دیا۔ اس معزز بزرگ نے بنی ہاشم، بنی مطلب اور آنحضرتؐ کے اقربا کو ان کی عزت کا واسطہ دے کر کہا کہ اپنے خاندان کے اس فردِ فرید کو دشمنوں کے جور و ظلم کا ہدف بننے سے بچالو۔ اس استدعا پر سوائے اس کج نظر ابولہب (ابوجہل) کے سب نے لبیک کہی۔

اس وقت اسلام نے حضرت عمرؓ کی ہستی میں ایک زبردست طرفدار پیدا کر لیا۔

جن کے اولوالعزمانہ کارناموں نے اسلام کی آئندہ سلطنت میں ایک عظیم الشان کارکن ثابت کیا۔ خدمات اسلام کی وجہ سے آپ کا اسم گرامی صفحاتِ تاریخ پر زریں حروف میں لکھا نظر آتا ہے۔ آپ خاندان عدی ابن کعب کے ایک ممتاز فرد اور خطاب کے فرزند تھے۔ آپ قبولِ اسلام سے پہلے مسلمانوں کے سخت ترین دشمن اور ان پر سختیاں کرنے میں سب سے پیش پیش تھے۔ آپ کے تبدیلِ مذہب کا باعث قرآن کی ایک سورت کا معجزنما اثر سمجھا جاتا ہے جو آپ نے اپنی ہمشیرہ کے مکان پر سُنی اور جہاں آپ نہایت غضبناک حالت میں قاتلانہ ارادے سے گئے تھے۔

اس واقعے سے متاثر ہو کر آپ سیدھے آنحضرتؐ کے پاس گئے۔ آپ کے ہاتھ میں برہنہ تلوار تھی جس سے آپ کبھی آنحضرتؐ اور آپ کے متبعین کو قتل کرنا چاہتے تھے۔ آپ نے مسلمانوں کے مجمع میں جو آنحضرتؐ کے ارشادات سُن رہے تھے سخت اضطراب پیدا کر دیا۔ لیکن آپ نے بڑھ کر آنحضرتؐ کا ہاتھ چوم لیا۔ حضرت عمرؓ پر خدا تعالےٰ کے رحم وکرم کا نزول دیکھ کر مسلمانوں کے شاکرانہ نعرے فضا میں گونج اُٹھے۔ آپ کا حلقۂ اسلام میں داخل ہونا اسلام کے لئے بمنزلہ ایک فصیل کے ثابت ہوا۔

اسلام کو اب چھُپ چھُپ کر رہنے اور پردہ داری میں نماز ادا کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ طبقۂ غربا متبعین کی ایک معقول تعداد کے علاوہ آنحضرتؐ کے گرد منتخب اصحاب کی ایک جماعت ہو گئی تھی جو حمزہؓ، ابوبکرؓ اور عمرؓ جیسے بہادر، قابل اور سربرآوردہ افراد پر مشتمل تھی، اور حضرت علیؓ اگرچہ نوعمر تھے لیکن جلد جلد امتیاز حاصل کر رہے تھے۔ ان مقتدر ہستیوں کی شمولیت نے مسلمانوں کے دل بڑھا دیئے، اور اب وہ کھُلم کھُلا نماز ادا کرنے لگے۔ قریش اب حالات کی نزاکت کو محسوس کرنے لگے اور

ایک فیصلہ کُن ضرب کے منتظر رہے ۔

حبشہ کے وفد کی ناکام واپسی نے انہیں غضبناک کر دیا۔ آخر اُنہوں نے فیصلہ کیا کہ ایک ہی حملہ سے ہاشم اور مطلب کے خاندانوں کو مٹا دیا جائے ۔ اس کام کے لئے بعثت نبوّت کے ساتویں سال ۶۱۶ء کے آخر میں بنی ہاشم اور بنی مطلب کے مخالفوں کی ایک انجمن قائم کی گئی ۔ ایک عہد نامہ پر سب کے دستخط لئے گئے کہ وہ بنی ہاشم کے ساتھ رشتہ و نکاح یا کسی قسم کا لین دین نہ کریں گے ۔ اور یہ عہد نامہ کعبہ میں محفوظ کر دیا گیا بنی ہاشم اور بنی مطلب جن میں کفّار اور مُسلمان دونوں شامل تھے، اس عہدنامہ کی وجہ سے خوفزدہ ہو گئے ۔ اور اسے کسی سخت تر حملے کا پیش خیمہ تصوّر کرتے ہوئے یہی مناسب سمجھا کہ شہر میں اپنے بکھرے ہوئے گھروں کو چھوڑ کر ایک جگہ مجتمع ہو کر رہیں ۔ اس لئے سب شعب ابوطالب میں اُٹھ آئے ۔ یہ ایک لمبی اور تنگ گھاٹی ہے جسے پہاڑی دیواروں نے شہر سے جُدا کر رکھا ہے ۔ اور داخل ہونے کے لئے ایک چھوٹے سے دروازے کے سوا اور کوئی راستہ نہیں ۔ ابولہب ان میں شامل نہ ہُوا بلکہ دشمنوں کی طرف رہا۔ یہ لوگ مع آنحضرتؐ کے سخت تنگی و عُسرت کی حالت میں تین سال تک اسی جگہ محصور رہے ۔ جس قدر سامانِ خوراک وہ ساتھ لے گئے تھے وہ جلد ہی ختم ہو گیا۔ اور فاقہ زدہ بچّوں کے رونے کی آواز باہر سے سُنائی دینے لگی ۔ اگر باہر کے کم متعصّب لوگ وقتاً فوقتاً انہیں چوری چھپے امداد نہ دیتے رہتے تو ممکن تھا کہ سب کے سب وہیں فاقوں سے جاں بحق ہو جاتے ۔ اب چند رؤسا اپنی اس ناانصافی پر دل ہی دل میں منفعل ہو رہے تھے ۔ بعثت نبوّت کے دسویں سال ۶۱۹ء میں ہشام بن عمر نے جسے ہاشمیوں کے ساتھ بہت ہمدردی تھی، قریش اور ہاشم و مطلب کے خاندانوں کے

درمیان ایک صلحنامہ کی تحریک شروع کی۔ وہ زبیر بن ابو اُمیہ کو اپنا ہم خیال بنانے میں کامیاب ہو گیا اور چند اور لوگوں کی مدد سے اس نے عہد نامہ کو منسوخ کرا دیا۔ دونوں خاندانوں کے ساتھ تعلقات از سر نو قائم ہو گئے۔ اور انہیں مکہ میں آنے کی اجازت مل گئی ٭

جتنا عرصہ آنحضرتؐ شعب میں رہے، شہر میں اسلام کوئی ترقی نہ کر سکا۔ ان متبرک مہینوں میں جب کہ لڑائی جھگڑے حرام سمجھے جاتے تھے، آنحضرتؐ اپنے قید خانہ سے باہر آتے اور حاجیوں کو تبلیغ کرنے کی کوشش کرتے۔ لیکن ابو جہل ہر جگہ آپ کے پیچھے پیچھے جاتا اور پکار پکار کر کہتا "یہ شخص جھوٹا ہے"!

اس کے بعد آئندہ سال میں جو تاریخ اسلام میں "عام الحزن" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، ابو طالب اور حضرت خدیجہ رض یکے بعد دیگرے وفات پا گئے۔ ابو طالب کی وفات سے آپ نے اپنی جوانی کا سرپرست کھویا جو اب تک آپ میں اور آپ کے دشمنوں میں دیوار کی طرح حائل تھا۔ حضرت خدیجہ رض کی وفات ایک جانکاہ صدمہ تھی۔ جب ابھی آپ پر کوئی ایمان نہ لایا تھا، یہاں تک کہ خود آپ کو بھی اپنی رسالت کا علم نہ تھا۔ جب آپ کا دل شبہات سے پُر تھا۔ جب آپ کو اپنے آس پاس صرف تاریکی اور یاس ہی نظر آتی تھی۔ تو انہیں کی محبت اور انہیں کے ایمان و یقین نے آپ کا ساتھ دیا تھا۔ آپ امید و تشفی کا فرشتہ تھیں۔ آنحضرتؐ کو آخری وقت تک آپ کی محبت و اُلفت یاد آتی رہی ٭

نوٹ :۔ سر ولیم میور کا خیال ہے کہ ایم ایس ڈی پرسیول رمضان اور ربطی کو جنگوں کے نام سمجھنے

میں غلطی پر ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ ان ناموں سے ان جگہوں کی تخصیص مطلوب ہے جن پر ان لوگوں کو اذیت دی جاتی تھی۔ ایم کاسن ڈی پرسیول اور اپنے بیان کی تصدیق میں میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ان جگہوں کی موجودگی ایک حقیقت ہے اور مسلمان مصنّفین نے بطحٰی کو مکہ کے قرب و جوار میں ایک جگہ ظاہر کیا ہے۔ مثلاً مشہور حکیم سنائی کہتا ہے ؎

چو علمت ہست خدمت کن ہچو بے علماں کہ زشت آید
گرفتہ چینیاں احرام و مکی خفتہ در بطحٰے

دوسرا باب

ہجرت

محمد سید الکونین والثقلین　　والفریقین من عرب وعجم

بنی اُمیہ اور دوسرے مخالف قبائل کو قدیم مذہب کی وابستگی کی بنا پر اور اس حسد و نفرت سے برانگیختہ ہوکر جو اُنہیں ہاشمیوں کے ساتھ تھی۔ مکہ میں اسلام کو کچل دینے کا اچھا موقع ہاتھ آگیا۔ ابوطالب کی وفات جن کے اثر و اقتدار نے ان کے غصہ کو دبا رکھا تھا ظلم و جفا کو دُگنے جوش سے شروع کرنے کا ایک اشارہ ثابت ہوئی۔

اپنے معزز سرپرست اور محبوب بیوی کی وفات نے آنحضرتؐ کو سخت صدمہ پہنچایا۔ اور قریش کی اصلاح سے نا اُمید ہوکر لیکن خدا پر پورا بھروسہ کرتے ہوئے آپ نے تبلیغ کے لئے کوئی اور میدان تلاش کرنا چاہا۔ مکہ والوں نے خدا کے الفاظ قبول نہ کئے۔ شاید اہلِ طائف انہیں سنیں۔ اپنے وفادار خادم زید کی محبت میں آپ بنی ثقیف میں آئے۔ اور انہیں اپنے آنے کا مقصد بتایا۔ بُرائیوں سے متنبہ کیا اور خدا کی عبادت کی طرف بُلایا۔ آپ کی تقریر نے غیظ و غضب کا ایک طوفان برپا کر دیا۔ "یہ مجنون شخص کون ہے۔ جو اس آزادی اور اطمینان کے ساتھ ہمیں اپنے خوبصورت دیوتاؤں کی پرستش سے روکتا ہے"۔ غلاموں اور بچوں کا ایک گروہ پتھر برساتا اور چیختا چلاتا ہوا آپ کے پیچھے دوڑا۔ یہاں تک کہ شام ہوگئی اور وہ لوگ آپ کو تنہا چھوڑ کر چلے گئے۔ جسم سے خون بہہ رہا تھا۔

پاؤں زخمی اور تھکان سے چُور ہو رہے تھے کہ آپ کھجوروں کے ایک جھنڈ کے سایہ تلے آ سگئے، اور ہاتھ آسمان کی طرف اُٹھا کر پکارے "اے خدا! مَیں اپنی کمزوری اور ناکامی کی فریاد تیرے پاس لے کر آیا ہوں۔ کیونکہ مَیں لوگوں کی نظروں میں حقیر ہوں۔ اے رحمٰن! اے کمزوروں کے خدا! تُو ہی میرا حافظ و ناصر ہے۔ مجھے اس وقت بھُلا نہ دینا۔ مجھے اجنبیوں اور دشمنوں کے حوالے نہ کرنا۔ اگر تو مجھ سے ناراض نہیں ہے تو میں محفوظ ہوں۔ مَیں تیری مہربانی کے نُور کی پناہ لیتا ہوں جس سے تمام تاریکیاں دُور ہو جاتی ہیں اور دُنیا و عقبیٰ میں امن ملتا ہے۔ اپنا غصہ مجھ پر نازل نہ فرما۔ جس طرح تُو چاہے میری مشکلات آسان کر دے۔ تیرے سوائے کوئی طاقت اور کوئی مدد نہیں ہے۔"

آپ سخت غمزدہ ہو کر مکّہ کو واپس آئے۔ کچھ مدت یہاں کے لوگوں سے بالکل الگ تھلگ رہے۔ کبھی کبھی تبلیغ کرتے۔ لیکن آپ کی کوشش صرف ان اجنبیوں تک محدود رہتی جو مکّہ یا اس کے قرب وجوار میں حج کی غرض سے جمع ہوتے۔ اور بقولِ طبری آپ ایسے لوگ تلاش کرتے جو آپ پر ایمان لائیں اور آپ کی تعلیمات کو اپنے دُور دراز علاقوں میں ساتھ لے جائیں۔

ایک روز جبکہ آپ ان نیم تاجروں اور نیم حاجیوں میں اُداس لیکن پُر امید طریق سے مصروفِ کار تھے آپ کو یثرب کے چھ باشندے آپس میں گفتگو کرتے ہوئے ملے۔ آپ نے ان سے فرمایا، بیٹھ کر میری بات سنو۔ آپ کی متین اور پُر از صداقت باتوں سے متأثر ہو کر وہ ایمان لے آئے اور اپنے وطن پہنچ کر بجلی کی سی سرعت کے ساتھ یہ خبر پھیلا دی کہ عربوں میں ایک پیغمبر پیدا ہوا ہے جو لوگوں کو خدا کی طرف بُلائے گا۔ اور ان جھگڑوں کا خاتمہ کرے گا جو صدیوں سے ہمارے درمیان چلے آتے ہیں۔

دوسرے سال یہ یثربی اپنے شہر کے دوسر برآوردہ خاندانوں میں سے چھ نمائندے اپنے ساتھ لائے۔

اسی جگہ پر جہاں پہلے چھ آدمی ایمان لائے تھے، یہ چھ بھی دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے۔ یہ عقبہ کی پہلی بیعت کہلاتی ہے۔ اس پہاڑی کے نام پر جہاں یہ عمل میں آئی آپؐ نے ان سے مندرجہ ذیل عہد لئے۔

"ہم خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں گے۔ ہم چوری اور زناکاری کبھی نہ کرینگے ہم اپنی اولاد کو قتل نہ کریں گے۔ ہم تہمت اور غلیبت سے بچیں گے۔ ہم ہر اچھی بات کے لئے پیغمبر کا حکم مانیں گے اور ہم شادی وغم میں اس کے وفادار رہیں گے۔"

اس بیعت کے بعد یہ لوگ اپنے وطن کو واپس چلے گئے۔ مذہب کے اصول انہیں سمجھانے کے لئے آپ نے ایک صحابی کو ان کے ساتھ بھیج دیا۔ یثرب میں یہ مذہب تیزی سے پھیلنا شروع ہوگیا۔

بیعتِ اولیٰ اور بیعتِ ثانی کا درمیانی وقفہ رسالتِ محمدی کے نازک ترین لمحات ہونے کی وجہ سے خاص اہمیت رکھتا ہے۔ آپ کا بے نظیر توکّل اور آپ کا پر عظمت طرزِ عمل کسی جگہ اس قدر نمایاں نہیں جس قدر کہ اس زمانہ میں ہے۔ اپنی قوم کی صنم پرستی کو دیکھ دیکھ کر آپ کڑھتے۔ لیکن آپ کا رنج اس اُمید سے رفع ہو جاتا کہ حق انجام کار باطل پر فتح پا کر رہے گا۔ ممکن ہے آپ کی زندگی اس وقت تک وفا نہ کرے۔ لیکن باطل کا حق کے سامنے غائب ہو جانا ایسا ہی یقینی ہے جیسا کہ سورج کی کرنوں کے سامنے تاریکی کا کافور ہو جانا۔ ان حالات کے پیش نظر مُور کی زبان سے بھی غیر معمولی طور پر چند تعریفی کلمات نکل گئے ہیں۔ "محمد صلعم اس طرح اپنی قوم کو روکے ہوئے، فتح

کی امیدوں ہیں، ظاہراً طور پر بے یار و مددگار اور اپنی چھوٹی سی جماعت کے ساتھ جو بظاہر شیر کے منہ میں تھی، اپنے قادرِ مطلق خدا کی طاقت پر بھروسہ کئے ہوئے جس کا پیغامبر وہ اپنے آپ کو سمجھتے تھے۔ مضبوط و استوار کھڑے ہوئے ایک ایسا نظارہ پیش کرتے ہیں جس کی مثال صرف صحفِ مقدسہ ہی میں مل سکتی ہے، اور صرف ایسے واقعات میں جیسا کہ پیغمبر اسرائیل کا ہے جب کہ وہ اپنے خدا سے شکوہ کرتا ہے۔

یہ مضطربانہ انتظار کا زمانہ اس عجیب رویا معراج کی وجہ سے بھی زیادہ قابلِ ذکر ہو گیا ہے، جسے شاعروں اور راویوں کی قیاس آرائیوں نے قطعاً بدل دیا ہے۔ ان لوگوں نے قرآن کے ان سادہ الفاظ کو خوبصورت قصوں اور کہانیوں میں لپیٹ دیا ہے۔ "وہ خدا پاک ہے جو اپنے بندے کو رات کے وقت مسجد حرام سے مسجد اقصےٰ لے گیا جس کے ماحول کو ہم نے برکتیں دے رکھی ہیں، تاکہ ہم اسے اپنی قدرت کے نشان دکھائیں۔ اور بیشک خدا سمیع و بصیر ہے۔" اور یاد کرو جب ہم نے تمہیں کہا یقیناً تمہارا خدا انسان کو گھیرے ہوئے ہے، اور ہم ہی نے وہ رویا تمہیں دکھائی" باوجود اس خوبصورت لباس کے جس میں راویوں نے اس عجیب واقعہ کو ملبوس کر رکھا ہے "یہ ایک عظیم الشان رویا ہے، جو اپنے اندر عظمت و شوکت خیالات اور عمیق معنی لئے ہوئے ہے[1]۔

اگلے سال ۶۲۲ء میں ۷۵ یثربی جنہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ اپنے غیر مسلم رفقا کے ہمراہ مکہ میں آئے تاکہ رسول اللہ کو اپنے شہر میں آنے کی دعوت دیں۔ لیکن ان کو اپنے ساتھیوں کے ارادہ کا علم نہ تھا۔

Director of Panchayats, Punjab

رات کی خاموشیوں میں جبکہ تمام دشمن عناصر سوئے ہوئے معلوم ہوتے تھے اسلام

۱؎ سٹینلے لین پول (دیباچہ منتخبات القرآن)

کے یہ علم بردار اس پہاڑی کے نیچے جمع ہوئے جہاں بیعتِ اُولیٰ عمل میں آئی تھی۔ آنحضرتؐ اپنے چچا عباسؓ کی معیت میں یہاں پہنچے۔ جنہوں نے ابھی اسلام قبول نہ کیا تھا۔ لیکن اسلام کی ترقی میں گہری دلچسپی لیتے تھے۔ آپ نے اجلاس کا افتتاح کیا اور یثربیوں کو ان تمام خطروں سے واضح طور پر آگاہ کیا جن میں وہ اپنے آپ کو اسلام اختیار کرنے اور رسول اللہ کو اپنے شہر میں بُلا کر ڈال رہے تھے۔ اُنہوں نے یک زبان ہو کر جواب دیا کہ اسلام قبول کرتے وقت یہ تمام خطرات پہلے ہی سے اُن کے پیشِ نظر تھے۔ اور کہا "یا رسول اللہ اپنے لئے اور اپنے خدا کے لئے جو عہد آپ لینا چاہتے ہیں ہم سے لے لیں۔"

آنحضرتؐ نے اپنے معمول کے مطابق قرآن کی چند آیات تلاوت فرمائیں۔ انہیں خدا کی عبادت کی دعوت دی اور نئے مذہب کی برکات بتائیں۔ پہلے عہد کو دُہرایا گیا کہ وُہ خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں گے۔ اسلام کے احکام کی تعمیل کریں گے۔ ہر نیک عمل کے لئے رسُول اللہ کے احکام مانیں گے۔ آپ کی اور آپ کے متعلقین کی اس طرح حفاظت کریں گے جس طرح اپنی آل و اولاد کی کرتے ہیں۔ اُنہوں نے کہا "اگر ہم خدا کی راہ میں اپنی جانیں دے دیں تو ہمیں کیا ملے گا؟" جواب ملا "آئندہ زندگی کی راحت" انہوں نے کہا "لیکن ایسا نہ ہو کہ آپ عروج و خوشحالی کے وقت اپنے لوگوں میں واپس چلے آئیں۔ اور ہمیں چھوڑ دیں۔ آپ مسکرائے اور فرمایا "نہیں ہرگز نہیں۔ تمہارا خون میرا خون ہے۔ میں تمہارا ہوں اور تم میرے ہو۔" اُنہوں نے کہا "تو اپنا ہاتھ بڑھائیے" اور ہر ایک نے آپ کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر خدا اور اُس کے رسُول کی اطاعت کے لئے قسمیں کھائیں۔ یہ معاہدہ ابھی ختم ہی ہوا تھا کہ ایک ٹی کی آواز آئی۔ جو دُور سے تاریکی میں چھپا اس معاملہ کو دیکھ رہا تھا۔ تمام لوگ خوفزدہ ہو گئے۔ لیکن آنحضرتؐ کے تسلّی بخش الفاظ

نے ان کے ہوش بجا کئے۔ آپ نے انہیں لوگوں کی رائے کے مطابق بارہ بلند مرتبہ آدمی بطورِ نقیب منتخب کئے اور اسی طرح دوسری بیعت عقبہ انجام پذیر ہوئی۔

مکی مخبر نے اس مشاورت کی خبر تمام شہر میں پھیلادی تھی۔ قریش آنحضرت کی بیباکی پر سخت حیران ہوئے۔ سب کے سب اکٹھے ہوکر یثربی کاروان میں پہنچے اور آنحضرت سے معاہدہ کرنے والوں کی حوالگی کا مطالبہ کیا۔ لیکن ان لوگوں کا کوئی سُراغ نہ مِل سکا اور کاروان کو بلاحجت واپس جانے کی اجازت مِل گئی۔ قریش کا یہ ظاہری تحمل آنحضرت اور آپ کے متبعین کے لئے ظلم وجور میں زیادتی کی تمہید ثابت ہوا۔ مسلمانوں کی حالت روز بروز خطرناک ہوتی جارہی تھی۔ آنحضرت نے قتلِ عام کے خوف سے اپنے متبعین کو یثرب کی طرف فوراً ہجرت کر جانے کی ہدایت کی جس کے نتیجے میں تقریباً ایک سو گھرانے ایک ایک دو دو کر کے نہایت خاموشی سے مکہ سے نکل جاتے رہے۔ یثرب میں ان کا نہایت پُرتپاک خیر مقدم کیا گیا۔ اسی طرح مکہ میں محلے کے محلے خالی ہوگئے۔ عتبہ بن ربیعہ نے ان ویران گھروں کو دیکھ کر جو کبھی اس قدر آباد تھے ایک ٹھنڈا سانس بھرا اور ایک پُرانا شعر پڑھا کہ "ہر آبادی خواہ وہ کب سے عیش وخوش حالی کا مرکز بنی رہی ہو ایک نہ ایک دن غم والم اور ویرانی کا شکار ہوجاتی ہے" اور نہایت افسوس کے ساتھ کہا کہ "یہ تمام کارستانی ہمارے اپنے ہی ایک بھائی کی ہے جس نے ہماری محفلوں کو منتشر کر دیا۔ ہمارے معاملات کو تباہ کر دیا، اور ہمارے درمیان تفریق ڈال دی۔"

حضرت عیسیٰؑ کی طرح آنحضرت کے ساتھ بھی ویسا ہی معاملہ پیش آیا۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ حضرت عیسیٰؑ خود فرماتے تھے کہ "یہ نہ سمجھو کہ مَیں دُنیا پر امن لے کر آیا ہوں۔ میں امن لے کر نہیں آیا بلکہ تلوار لے کر آیا ہوں۔ مَیں بیٹے کو باپ سے بیٹی کو

ماں سے ، اور بہو کو ساس سے جدا کرنے آیا ہوں ۔ لیکن آنحضرتؐ کے معاملہ میں آپ کا بدترین دشمن آپ کو گھرانوں میں تفریق ڈالنے کا الزام دیتا ہے ۔

اس تمام عرصے میں جب کہ طوفان چڑھ چکا تھا اور ہر لحظہ اس کے تباہ کن اثرات کا خدشہ تھا ۔ آپ کا پائے استقلال کبھی نہ ڈگمگایا ۔ حضرت علیؓ اور حضرت ابوبکرؓ کے سوا آپ کے تمام متبعین یثرب پہنچ چکے تھے لیکن آپ اکیلے نہایت دلیری سے اپنی جگہ پر کھڑے تھے ۔

آنحضرتؐ کے بچ نکلنے کے خوف سے قریش نے دارالندوہ میں ایک مجلس مشاورت قائم کی جس میں دوسرے قبائل کے رؤسا کو بھی دعوتِ شمولیت دی گئی ۔ اب زندگی اور موت کا سوال درپیش تھا ۔ ایک طوفان انگیز مشاورت ہوئی ۔ کیونکہ ان کے دلوں میں خوف گھر کر چکا تھا ۔ عمر قید اور خارج البلد کرنے پر باری باری سے بحث ہوئی ۔ آخر قتل کی تجویز منظور ہوئی ۔ لیکن مشکل یہ تھی کہ قاتل اور اس کا خاندان انتقام کی زد سے نہ بچ سکتا تھا ۔ اس مشکل کو ابوجہل نے یوں حل کیا کہ تمام قبائل میں سے چند باہمت جوان منتخب کئے جائیں ، جو اپنی تلواریں یک دم آنحضرتؐ کے سینہ میں پیوست کر دیں تاکہ اس کام کی ذمہ داری سب پر یکساں عائد ہو ۔ اور آپ کے اقربا انتقام سے عاجز آ جائیں ۔ یہ تجویز پسند کی گئی اور اس سنگدلانہ کام کے لئے چند ذی مرتبہ نوجوان منتخب کئے گئے ۔ جب کچھ رات گزر چکی تو ان قاتلوں نے آپ کے مکان کا محاصرہ کر لیا ۔ یہ لوگ تمام رات بیدار رہے اور انتظار کرتے رہے کہ علی الصباح جب آپ نکلیں تو آپ کو قتل کر دیا جائے ۔ کبھی کواڑوں کی درزوں سے جھانک کر اطمینان کر لیتے ۔ کہ آپ ابھی تک بستر پر موجود ہیں ۔ لیکن اپنے بچاؤ کے اس احساس نے جس کے ذریعہ

ناصرہ کا پیغمبر اپنے دشمنوں سے بچ کر نکل جاتا تھا، آپ کو بھی خطرہ سے متنبہ کر دیا تھا۔ قاتلوں کی توجہ کو بستر پر لگائے رکھنے کے لئے آپ نے اپنی سبز چادر اپنے وفادار دوست حضرت علی رضؓ پر ڈال دی، اور انہیں اپنے بستر پر لٹا دیا۔ اور خود اس طرح بچ نکلے جس طرح حضرت داؤد کھڑکی میں سے بچ نکلے تھے۔ آپ حضرت ابوبکر رضؓ کے مکان پر آئے اور دونوں چپکے سے روانہ ہو گئے۔ دونوں کوہ ثور کے ایک غار میں جو مکّہ کے جنوب میں واقع ہے کئی روز تک چھپے رہے۔ قریش کا غصہ اب حد سے تجاوز کر گیا۔ قتل کرنے والوں کی ناکامی نے ان کے جذبات دشمنی کو اور بیدار کر دیا۔ تمام علاقے میں سوار دوڑائے گئے، اور آپ کے قتل پر انعام مقرر کیا گیا۔ ایک دو مرتبہ تو خطرہ اس قدر قریب پہنچ گیا کہ حضرتِ ابوبکر رضؓ کا دِل خوف سے لرز گیا اور کہا کہ "ہم صرف دو ہیں"۔ آپ نے فرمایا "نہیں ہم تین ہیں۔ خدا بھی ہمارے ساتھ ہے۔" اور واقعی خدا اُن کے ساتھ تھا۔ تین دن کی ناکام جدوجہد کے بعد قریش کی کوششیں کچھ سُست پڑ گئیں۔ اس تمام عرصے میں حضرت ابوبکر رضؓ کی ایک بیٹی رات کے وقت آپ کو کھانا پہنچانے جایا کرتی تھی۔ تیسری رات کو اُنھوں نے بہ دقّتِ تمام دو اُونٹ بہم پہنچائے اور غیر آباد راستوں سے یثرب کو روانہ ہوئے۔ لیکن یہ راستہ بھی خطروں سے پُر تھا۔ اُس معقول انعام کے لالچ میں جو آپ کے قتل کے لئے مقرر کیا گیا تھا ابھی تک کئی سوار نہایت تن دہی سے ان بے یار و مددگار مسافروں کو تلاش کر رہے تھے ایک وحشی اور جنگجو سپاہی نے انہیں پہچان لیا۔ اور گھوڑا دوڑاتا ہوا آیا۔ ایک دفعہ پھر حضرت ابوبکر رضؓ کا دِل ڈُوب گیا۔ اور فرمایا۔ کہ "ہم ہلاک ہوئے"۔ آنحضرتؐ نے فرمایا "ڈرو نہیں، خدا ہمیں بچائے گا"۔ جب وہ قریب پہنچا۔ تو اس کا گھوڑا بھڑک گیا اور گر پڑا۔ سوار پر ایسا خوف طاری ہوا کہ معافی کی استدعا

کرنے لگا۔ حضرت ابوبکر رضؓ نے ایک ہڈی کے ٹکڑے پر اسے معافی نامہ لکھ دیا۔

تین دن کے سفر کے بعد آپ یثرب کی حدود میں پہنچ گئے۔ جون ۶۲۲ء کا ایک گرم دن تھا کہ آپ اس زمین پر اُترے جو آئندہ آپ کا مامن و مسکن بننے والی تھی۔ سب سے پہلے ایک یہودی نے جو ایک مینار پر کھڑا تھا آپ کو دُور سے پہچانا۔ اس طرح قرآن کے یہ الفاظ پورے ہوئے کہ "وہ لوگ جنہیں کتاب دی گئی ہے اسے اس طرح پہچانتے ہیں۔ جس طرح وہ اپنے بچوں کو پہچانتے ہیں"۔ آپ اور حضرت ابوبکر رضؓ چند روز تک قبا نام ایک گاؤں میں ٹھہرے جو یثرب سے دو میل جانب جنوب واقع ہے اور خوب صُورتی اور زرخیزی کی وجہ سے مشہور ہے۔ یہیں حضرت علی رضؓ آپ سے آن ملے۔ جنہیں آپ کے بعد کفار نے سخت اذیتیں دی تھیں۔ حضرت علی رضؓ مکہ سے بھاگے تو دن کو چھپتے، راتوں سفر کرتے ہوئے پاپیادہ یہاں پہنچے۔

بنی عمرو بن عوف نے جو اس گاؤں کے مالک تھے کچھ روز اور ٹھہرنے کی استدعا کی لیکن اپنے اہم فرائض کے پیشِ نظر آپ اپنے متبعین کی مختصر جماعت کے ساتھ یثرب کو روانہ ہو گئے۔ اور ۱۶ ربیع الاوّل مطابق ۲ جولائی ۶۲۲ء جمعہ کی صبح کو شہر میں داخل ہوئے۔

اس طرح ہجرت کی تکمیل ہوئی جسے یورپی تواریخ "محمد صلعم کے فرار" سے تعبیر کرتی ہیں۔ اور اسی روز سے تقویم اسلامی کی ابتدا ہوئی۔

نوٹ:- سنِ ہجری کا اجرا ہجرت کے سترہ سال کے بعد خلیفۂ دوم کے وقت میں ہوا۔ لیکن سال کا آغاز مکہ سے رخصت ہونے کے دن سے نہیں کیا گیا جو ۸ ربیع الاوّل تھا بلکہ محرم سے کیا گیا۔ یکم محرم کو ۱۵ جولائی تھی۔

تیسرا باب

رسُول اللہ مدینہ میں

پیش از ہمہ شاہان غیور آمدۂ ہر چند کہ آخر بہ ظہور آمدۂ
اے ختم رسل قرب تو معلومم شد دیر آمدۂ ز راہِ دُور آمدۂ

مندرجہ بالا متصوفانہ اشعار کے پورے معانی موجودہ زمانہ کے بہت کم مسلمان سمجھ سکتے ہیں۔ لیکن تمام لوگ اِس گہری محبت و الفت کو پُوری طرح محسوس کرتے ہیں۔ جو ان الفاظ میں اس عظیم الشان ہادی کے متعلق ظاہر کی گئی ہے اور یہ محبت ایسی نہیں۔ جو کسی افسانہ کے ہیرو سے یا امتدادِ زمانہ کی وجہ سے پیدا ہو جایا کرتی ہے۔ وُرُودِ یثرب کے وقت سے لے کر آپ کی ذات ہمیں روشن نظر آتی ہے۔ اور آپ ہی وہ عظیم الشان ہستی ہیں جس پر آفتاب تاریخ اپنی پوری آب و تاب سے چمکا ہے۔ آپ کی زندگی کے چھوٹے چھوٹے واقعات نہایت احتیاط سے قلمبند ہو کر ہم تک پہنچے۔

ہم نے اس حیرت انگیز انسان کو ایک یتیم بچے کی صُورت میں دیکھا ہے جو شفقت پدری سے بالکل ناآشنا رہا اور جو بچپن ہی میں الفت مادری سے محروم ہو گیا۔ جس کی ابتدائی زندگی حادثات سے پُر ہے۔ وہ ایک متفکر بچپن سے متفکر تر جوانی میں پہنچتا ہے۔ اس کی جوانی ایسی ہی پاکیزہ اور معصوم ہے جیسا کہ اس کا بچپن اور وہ بڑھاپے میں بھی ویسا ہی عابد و زاہد ہے جیسا کہ جوانی میں۔ ناتوانوں اور غریبوں کے غم و مصیبت

کی کہانی سننے کے لئے وہ ہر وقت تیار ہے اور خدا کی مخلوقات کے لئے اس کا دل الفت و ہمدردی سے ہمیشہ پُر نظر آتا ہے۔ وہ اس عجز و پاکیزگی سے چلتا ہے کہ راہ چلتے لوگ ٹھہر جاتے ہیں اور ایک دوسرے کو اشاروں سے بتاتے ہیں "وہ الامین جاتا ہے جو راست باز نیک اور دیانتدار ہے"۔ وہ ایک مخلص دوست اور محبت کرنے والا خاوند ہے۔ وہ ایک فلاسفر ہے جو موت و زیست کے اسرار۔ افعال انسانی کی ذمہ داریوں اور تخلیق انسانی کے مقصد پر غور کرتا ہے وہ ایک قوم نہیں بلکہ ایک دُنیا کی اصلاح و درستی کا کام اس وقت سنبھالتا ہے جب اس کی ہمت بندھانے اور تسلی دینے کے لئے تمام دُنیا میں صرف ایک محبت کرنے والا دل ہے۔ بہکانے سے اس کے استقلال میں فرق نہیں آتا اور ظلم و جور اُسے مایوس نہیں کر سکتے۔ وہ ایک غیر مغلوب جوش کے ساتھ اپنے مفوضہ کام کی انجام وہی کے لئے کوشش کئے جاتا ہے۔ اس کا پاکیزہ اور پُر عظمت چال چلن، خدا کے فضل و کرم پر اس کا یقین راسخ جوق جوق جان نثاروں کو اس کے گرد جمع کر دیتا ہے۔ اور جب سخت ترین آزمائش کا وقت آتا ہے تو وہ ایک فرض شناس ناخدا کی طرح نہایت ثابت قدمی سے اپنی جگہ پر کھڑا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کے تمام مسافر خطرے سے محفوظ ہو جاتے ہیں، اور پھر وُہ خود ساحل پر قدم رکھتا ہے۔ پھر ہم اسے لوگوں کا بادشاہ، انسانی دلوں کا حکمران، قائد، قانون دان اور حاکم اعلےٰ کی حیثیت سے دیکھتے ہیں لیکن بغیر کسی کبر و غرور کے اسی عجز و انکساری کے ساتھ۔ اب اُس کے حالات اُس دولت عامہ کے حالات میں مدغم ہو چکے ہیں۔ جس کا وُہ مرکز تھا۔ اب وہی ہادی جو اپنے کپڑوں کی مرمت اپنے ہاتھ سے کیا کرتا تھا اور اکثر فاقہ ہی سے گزارا کیا کرتا تھا، دُنیا کے قوی ترین بادشاہوں سے قوی تر تھا،

آنحضرتؐ نے لوگوں کو دکھا دیا کہ وہ کیا ہیں۔ آپ کے شریفانہ طرزِ عمل، آپ کی مضبوط دوستی، آپ کی ہمت وجفاکشی اور سب سے بڑھ کر اعلائے حق کے لئے آپ کے جوش اور سرگرمی نے اس ہیرو کو ظاہر کر دیا۔ اس آقا کو جس کے سامنے سرِ تسلیم خم نہ کرنا اور جس سے محبت نہ کرنا ناممکنات سے تھا۔ اب صرف وقت کا سوال تھا۔ جوں جوں مدینہ کے لوگ آپ کو جانتے گئے جان ودل سے آپ پر نثار ہوتے گئے۔ اور یہ جوش آگ کی طرح قبائل میں پھیلتا گیا یہاں تک کہ ایک دن تمام عرب رسولِ خداؐ کے قدموں میں پڑا تھا۔ دُنیا کا کوئی شہنشاہ اپنے تاج وتخت کے زور سے اس اطاعت کا مرکز نہیں بن سکا جس اطاعت کا مرکز یہ گدڑی پوش تھا۔ جس کی عبا میں اس کے اپنے ہاتھ کے لگے ہوئے کئی پیوند ہوتے۔ آپ کے قبضے میں لوگوں کے دلوں کو مسخر کر لینے کی طاقت تھی۔ لیکن آپ میں وہ شرافت تھی جس نے سوائے نیکی کے اسے کسی جگہ استعمال نہیں کیا۔

مدینہ منورہ جس کے کئی نام ہیں، مکّہ سے شمال کی طرف گیارہ دن کی مسافت پر واقع ہے۔ اُن دنوں یہ شہر بیرونی حملوں کے لئے بالکل کھلا تھا۔ یہاں تک کہ آنحضرتؐ نے قریش کے خوف سے اس کے گرد فصیل کھینچ دی۔ یہ شہر ایک عمالکی سردار نے آباد کیا تھا۔ اور آپ کے ورود سے قبل اُسی کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ پُرانے زمانے میں یثرب اور اس کے گرد ونواح میں عمالکی ہی آباد تھے۔ لیکن انہیں ان یہودی نو آبادوں نے مٹا دیا، جو بابلی، یونانی اور رُومی ظلم وجور سے بھاگ کر عرب میں پناہ گزیں ہوئے، اور شمالی حجاز میں آباد ہو گئے۔ ان میں سے مقتدر ترین نو آبادیاں صرف تین تھیں۔ خیبر میں بنو نضیر، فدک میں بنی قریظہ اور مدینہ کے متصل بنو قینقاع

یہ لوگ مضبوط قلعوں میں رہتے تھے اور ہمسایہ عربی قبائل پر حکومت کرتے تھے یہاں تک کہ دو قحطانی قبائل اوس اور خزرج یثرب میں آباد ہوئے۔ انہوں نے پہلے تو یہودیوں کی محکومی قبول کر لی۔ لیکن آہستہ آہستہ انہیں باجگذار بنانے میں کامیاب ہو گئے۔ زیادہ مدت نہ گزری تھی کہ آپس ہی میں ان کے جھگڑے شروع ہو گئے۔ اور زمانہ بعثت نبوت کے قریب ہی انہوں نے اس طویل جنگ کو ختم کیا اور امن قائم کرنے میں کامیاب ہوئے۔

یہ تھی یثرب کی سیاسی حالت۔ جب آپ یہاں آئے اور آپ کے ورود سے شہر کے لئے ایک نیا دور شروع ہوا۔ اوس اور خزرج کی پرانی دشمنیاں اور خونریزیاں اخوت اسلامی نے بھلا دیں۔ وہ اسلام کے علم کے گرد جمع ہو گئے۔ اور دولت عامہ اسلام کا قلب بن گئے۔ پرانے امتیازات مٹا دیئے گئے اور ہر اس شخص کے لئے جس نے آزمائش کے وقت اسلام کی مدد کی تھی انصار کا لقب تجویز ہوا۔ اس وفادار گروہ کے لئے جس نے اسلام کے لئے اپنا محبوب وطن چھوڑا اور تمام رشتہ ہائے قرابت کو توڑا، مہاجرین کا نام تجویز ہوا۔

انصار اور مہاجرین کے تعلقات کو مضبوط تر کرنے کے لئے آنحضرتؐ نے ان میں رشتۂ اخوت قائم کیا۔ جس نے دونوں کو شادی و غم میں ایک دوسرے کا ساجھی بنا دیا۔

یثرب کا نام بدل گیا اور اب وہ مدینۃ النبی کہلانے لگا۔

جلد ہی ایک مسجد بنائی گئی جس کی تعمیر میں آنحضرتؐ نے بہ نفس نفیس حصہ لیا۔ اس کے گرد مہاجرین کے مکانات کھڑے کیئے گئے۔ یہ زمین دو بھائیوں کی ملکیت تھی جنہوں

نے اسے بلا معاوضہ دینا چاہا۔ لیکن چونکہ وُہ یتیم تھے اس لئے آپ نے اس کی قیمت ادا کر دی۔ مسجد کی عمارت سادہ تھی، اور اس سادہ مذہب کے لئے جس کی آپ تعلیم دیتے تھے، نہایت موزوں تھی۔ اس کی دیواریں اینٹ اور گارے سے بنائی گئیں اور چھت کھجور کے پتّوں سے۔ مسجد کا ایک حصّہ ان لوگوں کے لئے مخصوص کر دیا گیا۔ جن کا اپنا کوئی گھر بار نہ تھا۔

اس غریبانہ عبادت گاہ میں ہر بات سادگی سے عمل میں آتی تھی۔ آنحضرتؐ خود ننگی زمین پر نماز ادا کرتے تھے۔ ایک کھجور کے تنے کے سہارے وعظ کرتے اور ان دل ہلا دینے والے الفاظ کو سُن کر آپ کے گرد جاں نثار دل ایک ہم آہنگی سے حرکت کرنے لگتے۔ آپ فرماتے، جو شخص خدا کی مخلوق اور اپنی اولاد سے محبت نہیں کرتا۔ خدا اس سے محبت نہیں کرے گا۔ ہر مسلمان جو کسی ننگے کو کپڑے پہنائے گا، خدا اُسے بہشت میں سبز خلعت پہنائے گا۔

ایک وعظ کے دَوران میں آپ نے مسئلہ خیرات کو اس طرح بیان فرمایا۔ "جب خدا تعالےٰ نے زمین کو پیدا کیا تو وُہ لرزتی اور کانپتی تھی۔ یہاں تک کہ خدا نے اس پر پہاڑ مسلط کر دیئے تاکہ وہ پختہ ہو جائے۔ فرشتوں نے حیران ہو کر پوچھا۔ "اے خدا! کیا تیری مخلوق میں پہاڑوں سے زبردست بھی کوئی چیز ہے؟" خُدا نے جواب دیا۔ "ہاں، لوہا زیادہ زبردست ہے کیونکہ وہ پہاڑوں کو توڑ سکتا ہے۔"

"اور کیا تیری مخلوق میں کوئی چیز لوہے سے زبردست بھی ہے؟"

"ہاں آگ زیادہ زبردست ہے جو اسے پگھلا دیتی ہے۔"

"اور کیا تیری مخلوق میں کوئی چیز آگ سے زیادہ زبردست بھی ہے؟"

"ہاں! پانی جو اسے بجھا دیتا ہے۔"

"اے خدا تیری مخلوق میں پانی سے زیادہ زبردست بھی کوئی چیز ہے؟"

"ہاں! ہوا جو پانی پر غالب آجاتی ہے اور اسے اُڑائے لئے پھرتی ہے۔"

"اے پروردگار، کیا تیری مخلوق میں کوئی چیز ہوا سے زیادہ زبردست بھی ہے؟"

"ہاں! ایک نیک انسان جو دائیں ہاتھ سے خیرات دیتا ہے اور بائیں ہاتھ سے چھپاتا ہے۔ وہ تمام مخلوق سے زبردست ہے۔"

آپ کی خیرات کی تعریف ہر قسم کے رحم و کرم پر حاوی ہے۔ "ہر نیک کام خیرات ہے۔ تمہارا اپنے بھائی سے خوش اخلاقی سے بولنا خیرات ہے۔ اپنے ہم جنس کو نیکی کی تلقین کرنا خیرات ہے۔ مسافر کو راستہ بتانا خیرات ہے۔ اندھے کی دستگیری کرنا خیرات ہے، راستے سے کانٹے اور پتھر اٹھانا خیرات ہے۔ پیاسے کو پانی پلانا خیرات ہے۔" عقبیٰ میں انسان کی دولت وہ نیکیاں ہیں جو اس دُنیا میں وُہ اپنے ہم جنسوں سے کر جاتا ہے۔ جب کوئی مرتا ہے تو لوگ پُوچھتے ہیں کہ وُہ کیا جائیداد چھوڑ مرا ہے لیکن فرشتے جو اس کی قبر میں آئیں گے پُوچھیں گے کہ تم نے کون سے نیک اعمال اپنے آگے بھیجے ہیں؟"

ایک صحابی نے پُوچھا "یا رسُول اللہؐ! میری ماں اُم سعد فوت ہو گئی ہیں۔ بہترین خیرات کون سی ہے جسے مَیں اس کی رُوح کو ثواب پہنچانے کے لئے دے سکتا ہوں" آپ نے صحرا کی تپش اور پانی کی قلت کو مدِ نظر رکھتے ہُوئے فرمایا۔ "پانی۔ اُس کے لئے کنواں کھدواؤ اور پیاسوں کو پانی پلاؤ۔" اس نے ایک کنُواں کھدوایا اور کہا کہ "مَیں اسے اپنی ماں کے نام پر کھدواتا ہوں تاکہ اس کا اجر اُس کی رُوح کو ملے۔"

ارونگ لکھتا ہے کہ زبان جو اہم ترین خیرات ہے اور جس پر عموماً بہت کم توجہ کی جاتی ہے۔ آنحضرتؐ اس کے متعلق خاص طور پر ہدایت فرماتے تھے۔ ابو جاریہ بصرہ کا ایک باشندہ مدینہ سے آنحضرتؐ کے پاس آیا۔ اور ایمان لانے کے بعد آپ سے کوئی نصیحت کرنے کی استدعا کی۔ آپ نے فرمایا "کسی کے لئے برے الفاظ استعمال نہ کیا کرو۔" ابو جاریہ کہتا ہے کہ میں نے اس وقت سے لے کر کبھی کسی آزاد یا غلام کی بدگوئی نہیں کی۔"

اسلامی تعلیمات زندگی کی عام تواضعات تک پھیلی ہوئی ہیں۔ "کسی گھر میں داخل ہوتے وقت اور نکلتے وقت گھر والوں کو سلام کرو۔ دوستوں، آشناؤں اور مسافروں کے سلام کا جواب دو۔ سوار پیادہ چلنے والے کو، چلنے والا بیٹھے ہوئے کو، چھوٹا گروہ بڑے گروہ کو، اور چھوٹا بزرگ کو سلام کرنے میں سبقت کرے۔"

چوتھا باب

قریش اور یہود کی دشمنی

بلغ اللہ صلاتی وسلامی ابدًا

لنبیٍّ عربیٍّ مدنیٍّ حرمٍ

شمس فضلٍ وضیاءٍ وسناءٍ اسنیٰ

نورُ بدرٍ وبھاءٍ وسماءِ الکرمِ

اکرم الخلق وجودًا وسجودًا وھجودٍ

احسن النّاس سخاءً بعطاء النّعم

اپریل ۱ھ ۶۲۲ء سے ۷ مئی ۲ھ ۶۲۳ء تک

اس وقت مدینے میں تین مقتدر گروہ تھے۔ مہاجرین اور انصار اسلام کا قلب تھے۔ رسول اللہ کے لئے ان کی جاں نثاری اور محبت بے حد بڑھی ہوئی تھی۔ مہاجرین نے اپنے گھروں کو چھوڑ دیا تھا۔ اور اپنی تمام عربی روایات کے خلاف، اسلام کے لئے خویش و اقربا کو رشتوں کو قطع کر دیا تھا۔ وہ تمام تکالیف میں ثابت قدم رہے اور خدائے تعالےٰ کے لئے تمام تحریصات کو ٹھکرا دیا۔ ان میں سے اکثر بالکل تہیدست تھے۔ مدینہ کے مسلمانوں نے خندہ پیشانی سے ان کا استقبال کیا۔ اور بعض نے اپنے مال و متاع میں انہیں بھی برابر کا شریک کر لیا۔ رسول اللہؐ کے تدبر نے جو اخوتِ اسلامی قائم کی تھی۔ جہاں اس نے جذباتِ

رقابت کو روکا، وہاں مہاجرین و انصار دونوں میں ایک شریفانہ مقابلہ بھی کھڑا کر دیا کہ دیکھیں خدا اور اُس کے رسولؐ کی راہ میں اپنے مال و متاع قربان کرنے میں کون سبقت لے جاتا ہے۔ جس جوش و سرگرمی سے یہ لوگ اسلام کی ترقی میں حصہ لے رہے تھے اور جس اشتیاق سے اپنی جانیں پیش کر رہے تھے، اس کی مثال مذہب عیسوی کے زمانۂ نشو و ارتقا کے بعد دیکھنے میں نہ آئی تھی۔ دوسرا اہم گروہ منافقین کا تھا جس کا میلانِ خاطر زیادہ بُت پرستی کی طرف تھا۔ ان کا سرگروہ عبداللہ بن ابی تھا جو مدینہ کی بادشاہت کا آرزومند تھا۔ اس نے اپنے گرد ابوسفیان کی طرح اپنے طرفداروں کی ایک زبردست جماعت بنا رکھی تھی۔ وُہ اپنی حکومت کا اعلان کرنے ہی والا تھا کہ آنحضرتؐ کی آمد نے اس کے تمام منصوبے خاک میں ملا دیئے۔ عوام کے جوش نے اسے اور اس کی جماعت کو بھی اسلام کا (نام نہاد) اقرار کرنے پر مجبور کر دیا لیکن ذرا سا موقع بھی انہیں ہاتھ آجاتا تو بغاوت پر آمادہ ہو جاتے۔ وہ مسلمانوں کی زائیدہ جمہوریت کے لئے سخت خطرناک تھے۔ اس لئے آنحضرتؐ کو ان کی طرف سے ہر وقت خدشہ رہتا تھا۔ آپ ان لوگوں کے ساتھ نہایت صبر و تحمّل کا برتاؤ کرتے اِس اُمید پر کہ انجام کار آپ انہیں مسلمان کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ آپ کی یہ اُمید آخرکار پوری ہوئی۔ عبداللہ بن ابی کی موت پر منافقین کا گروہ کچھ مدت کے لئے نظروں سے غائب ہو گیا۔[۱]

تیسرا خطرناک ترین عنصر یہودیوں کا گروہ تھا۔ قریش سے ان کے بہت گہرے کاروباری تعلّقات تھے، اور ان کی شاخیں مسلمانوں کے کئی دشمن علاقوں تک پھیلی

---

[۱] منافقین کا فرقہ مکمل طور پر کبھی نابود نہیں ہوا۔ اور جسدِ سیاستِ اسلامیہ پر ہمیشہ اپنے تباہ کُن اثرات ڈالتا رہا ہے۔ مثال کے طور پر افریقہ کے خارجی فرقہ پر غور کرو۔

ہوئی تھیں۔ ابتدا میں یہ آنحضرتؐ کی تعلیمات کو کسی قدر استحسان کی نگاہ سے دیکھتے رہے۔ وہ سمجھتے تھے کہ وہ یقیناً ان کا موعود مسیحا تو نہیں ہو سکتا لیکن کسی وقت شاید یہی بلندی کے خواب دیکھنے والا کمزور اور غریب واعظ اوس اور خزرج کی مدد سے عرب کو فتح کر لے۔ اور انہیں یہوواہ کی سلطنت قائم کرنے کا موقع مل جائے۔ اسی خیال سے وہ آنحضرتؐ کا استقبال کرنے میں اوپرے دل سے مدینہ والوں کے ساتھ شامل ہو گئے۔ اور کچھ مدت کے لئے صلح پسندانہ طرزِ عمل اختیار کئے رہے۔ لیکن یہ تھوڑی ہی مدت کے لئے تھا۔ کیونکہ بمشکل ایک مہینہ گزرا ہو گا کہ ان کے پرانے جذباتِ بغاوت بھڑک اٹھے۔ وہی خصلت جس کی وجہ سے انہوں نے اپنے رسولوں کو مصلوب کر دیا تھا۔ اب علانیہ بغاوت اور خفیہ سازشوں میں ظاہر ہونے لگی۔ ورودِ مدینہ پر آنحضرتؐ نے پہلا کام یہ کیا کہ مختلف دشمن عناصر کو جو مدینہ اور اس کے قرب و جوار میں آباد تھے، عہد و پیمان سے آپس میں متحد کر دیا۔ اس مقصد کے لئے آپ نے باشندوں کو ایک عہد نامہ عطا کیا جس میں مسلمانوں کے آپس میں اور مسلمانوں اور یہودیوں کے ایک دوسرے پر حقوق و واجبات صاف طور پر مقرر فرما دیئے۔ یہودیوں نے عام حالات کے زیرِ اثر نہایت خوشی سے اسے منظور کر لیا تھا۔ یہ دستاویز جو ابنِ ہشام کے اوراق میں تفصیلاً محفوظ ہے۔ اس انسان کی حقیقی عظمت کی شاہد ہے۔ ایک کامل انسان نہ صرف اپنے زمانہ کا جیسا کہ مؤرخ لکھتا ہے۔ بلکہ تمام زمانوں کا۔ وہ کوئی پریشان خواب دیکھنے والا نہیں جو نظامِ معاشرت کے موجودہ اجزا کو الگ کر رہا ہو بلکہ ایک بے نظیر مدبّر ہے جو اس یاس انگیز، افتراق و شکست کے زمانہ میں اس سامان اور تدبّر کے ساتھ جو خدا نے اُسے مہیا کر رکھے ہیں، انسانیت

اور رحم دلی کی بنیاد پر ایک سلطنت، ایک جمہوریت، ایک معاشرے کی تعمیر کا بیڑا اُٹھاتا ہے۔
اس عہدنامے کا پہلا حصہ جسے آزادیٔ ضمیر کا پہلا باب کہنا چاہیئے اس طرح شروع ہوتا ہے۔
"اللہ کے نام سے شروع کیا جاتا ہے جو رحمٰن و رحیم ہے۔ یہ محمد رسول اللہ صلعم کی طرف سے مسلمانوں کے ساتھ خواہ وہ قریش ہوں یا یثربی اور ان کے علاوہ ان تمام افراد کے ساتھ خواہ وہ کسی قبیلہ یا قوم سے ہوں لیکن مسلمانوں کے مقاصد سے متفق ہوں معاہدہ کیا جاتا ہے کہ وہ تمام ایک قوم شمار ہوں گے۔" اس کے بعد چند قبائل سے دیت کی ادائیگی کے قواعد مقرر کئے گئے ہیں۔ اور مسلمانوں کے آپس میں ذاتی فرائض کے قوانین بیان کرنے کے بعد لکھا ہے "صلح و امن تمام مسلمانوں کے لئے مشترک ہوں گے۔ اپنے ہم مذہبوں کے دشمنوں کے ساتھ کسی شخص کو بطور خود صلح یا جنگ کرنے کا اختیار نہ ہوگا۔ یہودی جنہوں نے ہماری جمہوریت سے الحاق کر لیا ہے ہر قسم کی توہین و تشدد سے محفوظ رکھے جائیں گے۔ ان کو ملکی حقوق اور عہدے مسلمانوں کے برابر ملیں گے، اور انہیں ہر قسم کی امداد دی جائے گی۔ مختلف قبائل کے یہودی عوف، نجار، حارث، جشم، ثعلبہ، اوس اور دوسرے جو یثرب میں آباد ہیں مسلمانوں کے ساتھ مل کر ایک قوم شمار ہوں گے۔ اور ان کو اپنے احکام مذہب کی بجا آوری میں ویسی آزادی ہوگی، جیسی کہ مسلمانوں کو اور ان کے دوستدار اور حلیف بھی اس آزادی و تحفظ سے متمتع ہوں گے۔ مجرم سے مواخذہ کیا جائے گا اور اسے سزا دی جائے گی۔ یثرب کو تمام دشمنوں سے بچانے کے لئے یہودی مسلمانوں کا ساتھ دیں گے۔ ان تمام لوگوں کے لئے جو اس عہدنامہ کو قبول کرتے ہیں۔ اندرونِ یثرب قابلِ احترام ہوگا مسلمانوں اور یہودیوں کے دوستدار اور حلیف قبائل کی ویسی ہی عزت کی جائے گی جیسی کہ ان کے سرپرستوں کی کی جاتی ہے

ہر سچا مسلمان اس شخص سے نفرت کرے گا جو کسی جرم، ناانصافی یا تخریبی کام کا مرتکب ہو۔ کوئی شخص مجرم کی امداد نہیں کرے گا۔ خواہ وہ اس کا قریب ترین رشتہ دار ہو۔" سلطنت کے چند انتظامی امور کے تذکرہ کے بعد یہ حیرت انگیز دستاویز اس طرح ختم ہوتی ہے "آئندہ تمام جھگڑے جو اُن لوگوں کے درمیان پیدا ہوں گے جنہوں نے اس عہدنامہ کو قبول کیا ہے فیصلے کے لئے رسول اللہ صلعم کے سامنے پیش کئے جائیں گے۔

اس طرح عربوں کی بدعملی کو ایک آخری جان لیوا دھچکا لگا۔ کیونکہ اس سے قبل مظلوم کو انتقام لینے یا انصاف کرانے کے لئے اپنی یا اپنے اقربا کی طاقت پر بھروسہ کرنا پڑتا تھا۔ اس عہدنامے کی رُو سے آپ حاکم اعلےٰ مقرر ہوئے۔

۷ مئی سنہ ۲ھ ۶۲۳ء سے ۲۶ اپریل سنہ ۶۲۴ء تک

بنی نضیر۔ بنی قریظہ اور بنی قینقاع کے یہودی قبائل جو مدینہ کے قرب وجوار میں آباد تھے، اس عہدنامہ میں شامل نہ ہوئے لیکن کچھ مدت بعد اُنہوں نے بھی خوشی کے ساتھ ان شرائط کو قبول کر لیا۔ لیکن آنحضرتؐ کے تمام الطاف واکرام یہود کو کسی طرح مطمئن نہ کرسکے۔ کوئی بات ان کے جذباتِ عداوت کو مٹا نہ سکی اس بات سے ناراض ہو کر کہ وہ آنحضرتؐ کو تمام عرب کے یہودی بنانے میں آلۂ کار نہیں بنا سکتے۔ اور اس لئے کہ اسلام کے عقائد یہودیت کے مقابلے میں نہایت سادہ ہیں۔ اُنہوں نے مسلمانوں سے تعلقات منقطع کر لئے اور دشمن کی صف میں جا ملے۔ جب ان سے پُوچھا جاتا کہ وُہ بت پرستی اور اسلام میں سے کس مذہب کو پسند کرتے ہیں تو اُن کا جواب اکثر عیسائی کج بحثوں کی طرح یہی ہوتا کہ ہم بُت پرستی کو اس کی تمام برائیوں کے باوجود اسلام پر ترجیح دیتے ہیں۔ وُہ بدزبانی پر اُتر آتے۔" اپنی زبانوں کو بل دے دے کر" قرآن کے الفاظ اور کلماتِ نماز کا تلفظ بگاڑتے اور انہیں بے معنی کر دیتے یا کلماتِ کفر

بنا دیتے - یہودی شعرا جو اس وقت بہت کثرت سے موجود تھے۔ تہذیب شرافت کو بالائے طاق رکھ کر مسلمان مستورات کی شان میں نہایت مکروہ اشعار کہتے ۔لیکن اس سے کبھی ان کا دل ٹھنڈا نہ ہوا اور انہوں نے اس سلطنت کے دشمنوں کے پاس، جس کی حفاظت میں وہ خود بھی تھے، ایلچی بھیجے - قریش جو آنحضرتؐ کے قتل پر اُدھار کھائے بیٹھے تھے - عبداللہ بن اُبی کے گروہ اور غدار اسرائیلیوں کی عنایت سے مسلمانوں کی کمزور حالت سے بخوبی واقف تھے - انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ یہودیوں نے وقتی ضرورت کے ماتحت عارضی طور پر آنحضرتؐ سے اتحاد کیا ہے اور ان کے مدینہ کے قریب ظاہر ہوتے ہی یہوواہ کے پرستار مسلمانوں کو چھوڑ کر فوراً ان سے جا ملیں گے -

چنانچہ اب مسلمانوں کی سخت ترین آزمائش کا وقت آن پہنچا - آنحضرتؐ شہر کے تحفظ اور مسلمانوں کی تنظیم سے ابھی فارغ نہ ہونے پائے تھے کہ حملے شروع ہو گئے۔ تمام مدینہ بغاوت اور سازشوں سے بھر گیا - اب آنحضرتؐ کا فرض تھا کہ شہر کو کسی ناگہانی اندرونی آفت سے بچانے یا بیرونی حملہ کی مدافعت کے لئے سخت تر وسائل اختیار کرتے آپ صرف اسلام کے مبلّغ ہی نہ تھے بلکہ لوگوں کی جانوں اور آزادی کے محافظ بھی تھے۔ پیغمبر کی حیثیت سے آپ دشمنوں کی بدزبانی اور دشنام دہی کو تو برداشت کر سکتے تھے۔ لیکن سلطنت کے حاکم کی حیثیت سے "تقریباً ایک مسلسل جنگ کے جرنیل" کی حیثیت سے جبکہ مدینہ کا نظم و نسق فوجی قوانین کے ماتحت عمل میں آرہا تھا آپ اس دغابازی کو نظرانداز نہ کر سکتے تھے۔ رعایا کے تحفّظ کا فرض آپ کو مجبور کرتا تھا کہ آپ ایسے گروہ کو دبا دیں جو شہر کو دشمنوں سے تاخت و تاراج کرا دینے والا تھا بلکہ جس نے کرا دیا - ملک کے تحفّظ کا تقاضا تھا کہ ایسے غدّاروں کو قتل کر دیا جائے جو مدینہ کے اندر بغاوت کا بیج بو رہے

تھے یا اپنے مشترکہ دشمن کو اطلاعات بہم پہنچا رہے تھے۔ تقریباً نصف درجن آدمی غدار قرار دے کر قتل کر دیئے گئے۔ ہم ان قتل کے واقعات کو قبل از وقت بیان کر رہے ہیں۔ اس سے قبل کہ آنحضرتؐ کو خدا کی طرف سے دشمنوں کے ساتھ جنگ کرنے کی اجازت ملے قریش کی فوجیں میدانِ جنگ میں آ پہنچیں۔

وہ جس نے تمام عمر میں کبھی ہتھیار نہ چلایا تھا جس کا دل انسانی تکالیف دیکھ کر درد اور رحم سے بھر آتا تھا اور وہ جو عرب کے تمام آئین مردانگی کے خلاف اپنے بچوں اور اپنے متبعین پر رویا کرتا تھا، جس کی نرم دلی اور جس کے دردمندانہ طرزِ عمل نے اسے دشمنوں سے نسائیت کا طعنہ دلوایا۔ وُہی انسان حالات سے مجبور ہو کر اور اپنی طبیعت کے خلاف دشمن کے حملوں کو اسلحہ اور فوج سے روکتا ہے۔ اپنی حفاظت کے لئے اپنے متبعین کو منظّم کرتا ہے، اور اکثر دشمن کے غدّارانہ اور ناگہانی حملوں کی روک تھام کے لئے مہمیں بھیجتا ہے۔ اس وقت عربی جنگوں کا یہی قاعدہ تھا کہ رات کے وقت یا صبح کے دھندلکے میں دشمن کی لاعلمی میں خونریز چھاپے مارتے تھے۔ اگر دشمن خبردار ہوتا تو ایک ایک دو دو آدمی مقابلے پر آتے یا ایک عام حملہ کر دیا جاتا۔ آنحضرتؐ کو اپنی قوم کی عادات کا پُورا پُورا علم تھا۔ اسلئے آپ ایسے ناگہانی حملوں کی مدافعت کے لئے چھوٹی چھوٹی مہمیں بھیجتے رہتے تھے۔

مکیوں اور اُن کے اتحادیوں نے مدینہ کے قرب جوار پر حملے شروع کر دیئے۔ وہ مسلمانوں کے پھلدار درختوں کو تباہ کر دیتے اور ان کے گلّوں کو ہانک کر لے جاتے۔ ابوجہل کی سرکردگی میں ایک ہزار سپاہیوں کی فوج جنگی سازوسامان سے آراستہ مسلمانوں کے تباہ کرنے اور اپنے ایک قافلہ کی حفاظت کے لئے مدینہ کی طرف روانہ ہوئی۔ مسلمانوں کو وقت پر اس کی اطلاع مل گئی اور وہ تین سَو کی تعداد میں کفّار کی پیش بندی کے لئے

بدر کی وادی میں پہنچ گئے۔ جب آنحضرتؐ نے کفار کی فوج کو نہایت متکبرانہ انداز سے وادی کی طرف بڑھتے ہوئے دیکھا۔ تو اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اُٹھا کر وفاداروں کے اِس چھوٹے سے گروہ کے تحفظ کی دُعا مانگی۔ "اے خدا! اپنی امداد کے وعدہ کو نہ بھولنا اے خدا اگر یہ چھوٹا سا گروہ فنا ہوگیا، تو تیری حقیقی عبادت کرنے والا کوئی نہ رہے گا۔"

قریش کی فوج سے تین آدمی میدان میں نکلے اور عربوں کے دستور کے مطابق مسلمانوں سے مبارزطلبی کی۔ ان کے مقابلہ کے لئے حمزہؓ، علیؓ اور عبیدہؓ بڑھے اور فتحیاب ہوکر واپس آئے۔ پھر عام حملہ کر دیا گیا جس میں مسلمانوں کے پاؤں ڈگمگاتے ہوئے معلوم ہوئے لیکن آنحضرتؐ کے پُرجوش الفاظ نے جنگ کا نقشہ بدل دیا۔ یہ سرما کا ایک طوفانی دن تھا۔ وادی میں سخت آندھی کا ایک زبردست طوفان چل رہا تھا۔" ایسا معلوم ہوتا تھا، کہ آسمانی فرشتے مُسلمانوں کی طرف سے جنگ کر رہے ہیں۔ اور بے شک آنحضرتؐ اور آپ کے متبعین کے ایماندار دِل جو قدرت کے ہر عطیہ میں، زندگی کے ہر شعبہ میں، انفرادی یا عمومی معاملات کے ہر تبدّل میں خدائے تعالےٰ ہی کے ہاتھ کو کارفرما دیکھتے تھے۔ ان کے لئے ہوا اور ریت کا یہ جھکڑ، دشمنانِ خدا کے ساتھ ایسے نازک موقع پر عناصر کی یہ جنگ خدا تعالیٰ کی امداد کا ایک بیّن ثبوت تھا۔ ان کے لئے ایسا ہی تھا جیسے فرشتے ہوا کے پروں پر سوار کفار کو نہایت ابتری سے ہانکتے ہوئے لئے جا رہے ہیں۔ مکّیوں کو شدید نقصان کے ساتھ پسپا ہونا پڑا۔ ان کے بہت سے سردار مارے گئے جن میں ابوجہل بھی اپنے غرور و تکبّر کی سزا کو پہنچا۔

بہت سے قیدی مُسلمانوں کے ہاتھ آئے جن میں سے صرف دو کو قتل کیا گیا۔ یہ مسلمانوں کے شدید ترین دشمن تھے، اس لئے عربوں کے قانونِ جنگ کے مطابق انہیں اپنے

کئے کی سزا بھگتنی پڑی۔

باقی قیدیوں کے ساتھ عربوں کے تمام دستور و روایات کے خلاف نہایت رحمدلی کا برتاؤ کیا گیا۔ آنحضرتؐ نے تاکیدی احکام جاری کئے کہ اس مصیبت میں ان کی تحقیر نہ کی جائے۔ اور ان سے نرمی کا سلوک کیا جائے۔ جن مسلمانوں کے سپرد قیدی کئے گئے تھے اُنہوں نے آپ کی ہدایات پر پوری طرح عمل کیا۔ یہ لوگ اپنا بہترین کھانا قیدیوں کو کھلا دیتے اور خود صرف کھجوروں پر گزرا وقات کر لیتے[1]۔

مالِ غنیمت کی تقسیم نے مسلمان سپاہیوں میں جھگڑے پیدا کر دیئے۔ آنحضرتؐ نے اُس وقت سب کو مساوی حصّہ دے کر اس جھگڑے کو ختم کر دیا۔ لیکن چونکہ ایسے جھگڑوں سے بے اصُول لوگوں میں بات کے بڑھ جانے کا امکان تھا اس لئے قرآن نے سُورہ انفال میں مالِ غنیمت کے متعلق ایک قطعی فیصلہ دے کر ہمیشہ کے لئے ان جھگڑوں کا خاتمہ کر دیا۔ اس کے مطابق مالِ غنیمت رئیسِ جمہوریت کے فیصلہ پر چھوڑ دیا گیا۔ اور کُل مال کا پانچواں حصّہ غریبوں اور محتاجوں کی امداد کے لئے بیت المال میں داخل کرنے کا حکم ہوا۔

ان عجیب و غریب اتفاقات نے جو بدر کی فتح کا باعث ہوئے، اور ان نتائج نے جو اس فتح سے پیدا ہوئے مسلمانوں کے دل پر نہایت گہرا اثر کیا۔ انہیں پختہ یقین تھا کہ آسمانی فرشتوں نے ان کی طرف سے کفّار کے ساتھ جنگ کی ہے۔

[1] مؤرخ اس واقعہ کو اس طرح بیان کرتا ہے: "آنحضرتؐ کے احکام کی تعمیل میں مدینہ والوں اور ان مہاجرین نے جن کا کوئی مکان مدینہ میں تھا، قیدیوں کے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا۔ زمانہ مابعد میں ایک قیدی کہا "خدا کی رحمت ہو مدینہ والوں پر وہ ہمیں سواری دیتے اور خود پیدل چلتے تھے اور ہمیں گیہوں کی روٹی کھلاتے جب کہ وہ خود کھجوروں پر قناعت کرتے تھے۔" (بقیہ حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

حضرتِ عیسٰیؑ اور دوسرے پیغمبروں کی طرح آنحضرتؐ بھی خدا تعالےٰ کے پیغامات انسان تک پہنچانے والی درمیانی ہستیوں کی موجودگی کے قائل تھے۔ فرشتوں کے متعلق جدید نظریے ہمارے آباواجداد کے عقاید کا ابطلان کرنے کے لئے کافی نہیں ہے ہمارا انکار اور اُن کا اقرار دونوں کا درجہ قیاس سے زیادہ نہیں۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ ایک منفی ہے اور دوسرا مثبت۔ جس چیز کو زمانہ جدید کی نظریں عناصر قدرت کی صُورت میں دیکھتی ہیں اس چیز کو وہ فرشتوں سے تعبیر کرتے تھے جو احکامِ ربانی کے حامل سمجھے جاتے تھے یا جیسا کہ لاک کا خیال ہے۔ ممکن ہے ایسی درمیانی ہستیوں کا وجود ہو جو خدا تعالےٰ اور انسان کے درمیان کارفرما ہوں۔ بالکل اسی طرح جس طرح انسان اور تخلیقِ حیوانی کی ادنیٰ ترین صُورتوں میں موجود ہیں۔ لیکن یہ ایک ایسا گہرا سوال ہے جہاں تک عقلِ انسانی کی رسائی محال ہے۔

حضرتِ عیسیٰؑ کی طرح آنحضرتؐ بھی ایک بدی کے مصدر (شیطان) کے وجود کے قائل تھے۔ لیکن جب آپ کے الفاظ کا تجزیہ کیا گیا۔ تو یہ ایک نہایت حکیمانہ بات ظاہر ہوئی۔ اور لوگوں کو سمجھانے کے لئے ایک تصوّر ثابت ہُوا جسے عام فہم الفاظ کا جامہ پہنایا گیا تھا۔ جب ایک شخص نے آپ سے پوچھا کہ شیطان کہاں رہتا ہے۔ آپ نے

(بقیہ صفحہ گزشتہ) ۲۔ سیل لکھتا ہے۔ یہ امر خاص طور پر قابلِ غور ہے کہ محمد (صلعم) کی فتح میں بدر کے مالِ غنیمت پر جھگڑا بالکل اسی طرح پر شروع ہوا جس طرح حضرت داؤد کی فوجوں میں عمالکی مالِ غنیمت پر ہوا تھا۔ جو لوگ جنگ میں شریک تھے۔ وہ اس بات پر مُصر ہوئے کہ مال و اسباب کی نگرانی کرنے والوں کو جو جنگ میں شریک نہیں ہوئے، کوئی حصّہ نہ دیا جائے۔ لیکن دونوں صُورتوں میں ایک ہی فیصلہ دیا گیا۔ جو مستقبل میں قانون بن گیا کہ سب کو ساوی حصّہ ملنا چاہیے +

فرمایا" انسان کے دل میں"۔

نوٹ

عقبہ بن ابو معیط کی فریاد پر جب کہ اسے مقتل کی طرف لے جا رہے تھے آنحضرتؐ کے غیر ہمدردانہ جواب کا فسانہ بالکل بے بنیاد ہے۔ کہا جاتا ہے کہ جب آخری وقت اس نے کہا "میرے بعد میرے بچوں کی خبر گیری کون کرے گا۔ تو آنحضرتؐ نے جواب میں کہا کہ" جہنم کی آگ"۔ یہ افسانہ آپ کے حقیقی طرزِ عمل کو مدِّنظر رکھتے ہوئے اپنی تکذیب آپ کر رہا ہے۔ وہ شخص جس کا نمایاں ترین وصف بچّوں سے محبت کرنا تھا۔ وہ جو یتیموں سے شفقت اور اُن کی سرپرستی کرنا انسانیت کا اوّلین فرض سمجھتا تھا اور وہ جو خدا کے نزدیک مقبول ترین عمل اسی کو سمجھتا تھا۔ ایسے شخص کے متعلّق اس واقعے کو منسوب کرنا سخت غلطی ہے۔ لیکن چونکہ عیسائی مصنّفین اس واقعے کو مزے لے لے کر بیان کرتے ہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ اس حقیقت کو بے نقاب کیا جائے۔

اس کی اصلیت غالباً" صبیۃ النّار" (آگ کے بچے) ہے۔ کیونکہ عقبہ کے بچّے اس نام سے پکارے جاتے تھے۔ عقبہ خود قبیلہ اجلان سے تھا جس کی ایک شاخ وادی صفرا کے قریب آباد تھی۔ یہ لوگ" بنی النار" (آگ کی اولاد) کہلاتے تھے۔ اس بنیاد پر یہ قصہ وضع کر لیا گیا ہے۔

ایسا ہی ایک اور واقعہ رنگ آمیزی کے بعد آنحضرتؐ کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے۔ کہتے ہیں کہ کفار کے مُردوں کو دفن کرتے وقت آپ نے انہیں سخت اور درشت الفاظ سے مخاطب کیا۔ طبری اس واقعہ کو جس سے

یہ الزام تراشا گیا ہے۔ اس طرح بیان کرتا ہے "آنحضرتؐ اس گڑھے کے کنارے کھڑے ہو گئے جو ان نعشوں کو دفن کرنے کے لئے تیار کیا گیا تھا۔ ہر ایک نعش کو قبر میں اُتارتے وقت اس کا نام بتایا گیا۔ پھر آپ نے یہ الفاظ فرمائے "اے میرے اقربا! تم نے مجھے جھوٹا کہا جبکہ دوسرے مجھ پر ایمان لائے۔ تم نے مجھے گھر سے نکال دیا جب کہ دوسروں نے میرا استقبال کیا۔ آہ! تمہارا کیا انجام ہونے والا تھا۔ افسوس۔ خدا کا وعدہ پورا ہو کے رہا۔" یہ الفاظ جو صریحًا رحم و تأسف کے لئے کہے گئے تھے ظلم و درشتی سے تعبیر کئے جاتے ہیں ؎

پانچواں باب

یہودیوں اور عربوں کی دشمنی

سنہ ۲ھ مطابق سنہ ۶۲۴ء

کالزّھرِ فی ترفٍ والبدرِ فی شرفٍ
والبحرِ فی کرمٍ والدّھرِ فی ھممٍ

سنہ ۲ھ کامیابی سچائی کی بہترین کسوٹی ہے۔ عیسائیت کے ابتدائی زمانہ میں بھی اس نیک فریسی نے کہا تھا" انہیں اپنے حال پر چھوڑ دو۔ اگر یہ لوگ جھوٹے ہیں تو خود بخود نابود ہو جائیں گے۔ ورنہ تم خود تباہ ہو جاؤ گے"۔ اگر قسطنطین نے آسمان پر صلیب نہ دیکھی ہوتی یا اُسے یہ خیال نہ ہو گیا ہوتا کہ اس نے آسمان پر صلیب دیکھی ہے۔ اگر وہ اس کی حمایت میں جادۂ فتح و کامرانی پر گامزن نہ ہوتا اور اگر یہ جادۂ فتح و کامرانی تختِ حکومت تک اس کی رہبری نہ کرتا تو عیسائیت کا جو حشر ہوتا وہ ظاہر ہے۔ جو اہمیت فتح بدر کو اسلام کے لئے حاصل ہے وہی اہمیت ملوین کے پُل کی فتح عیسائیت کے لئے رکھتی ہے۔ آیندہ عیسائیت قیاصرہ کے تخت سے حکومت کرنے لگی۔

بدر کی فتح مسلمانوں کے لئے واقعی نہایت مبارک ثابت ہوئی۔ مقام تعجب نہیں کہ اُنہوں نے بھی قدیم اسرائیلیوں اور عیسائیوں کی طرح اپنی فتح میں خدا کا ہاتھ کارفرما

دیکھا - اگر اس جنگ میں مسلمان ناکام رہتے تو یقیناً اس کا نتیجہ اُن کے حق میں ایک عالمگیر خونریزی کے سوا کچھ نہ ہوتا۔

اسی مہم کے دوران میں آپ کی ایک صاحبزادی رقیہ وفات پا گئیں جو حضرت عثمان سے بیاہی ہوئی تھیں اور جن کو حبشہ سے واپس آئے تھوڑا ہی عرصہ ہوا تھا۔ لیکن کفار نے جو آتش انتقام سے جل رہے تھے، آپ کو اس خانگی غم میں حصہ لینے کی فرصت نہ دی۔ جب قریش کے تمام قیدی اپنے وطن میں واپس پہنچ گئے۔ تو ابو سفیان دو سو سوار لے کر مکہ سے نکلا اور قسم کھائی کہ جب تک محمد صلعم اور آپ کے متبعین سے انتقام نہ لے لوں گا واپس نہ لوٹوں گا۔ وہ جلد جلد یلغار کرتا ہوا مدینہ سے چند میل کے فاصلے پر آ پہنچا اور انسانوں کو قتل کرتا ہوا اور نخلستانوں کو تباہ کرتا ہوا بے خبر مسلمانوں پر ایک بلا کی طرح نازل ہو گیا۔ مکہ والے دوران جنگ کے لئے سویق رستو) کے تھیلے ساتھ لائے ہوئے تھے۔ جونہی مسلمان اپنے مقتولوں کے انتقام کے لئے مدینہ سے نکلے، اہل مکہ نے پیٹھ پھیر لی اور بھاگے، اور اپنے جانوروں کا بوجھ ہلکا کرنے کے لئے سویق کے تھیلے راستے میں گراتے گئے۔ اس سے مسلمانوں نے اس جنگ کا نام غزوۃ السویق رکھا۔

۵ر ذی الحج
یکم اپریل ۶۲۴ء

اس موقع پر ایک واقعہ پیش آیا جسے واشنگٹن ارونگ نے نہایت اچھی طرح بیان کیا ہے۔ ایک روز آنحضرتؐ ایک درخت کے نیچے اپنی فوج سے دُور محو استراحت تھے کہ کسی آواز سے آپ کی نیند اُچٹ گئی۔ دیکھا تو غورث بن الحرث ایک دشمن سپاہی تلوار کھینچ آپ کے سر پر کھڑا ہے، اور کہتا ہے۔ اے محمدؐ اب تمہیں بچانے والا کون ہے؟" آپ نے فرمایا "خدا!" اس بات سے بدوی کے دل پر کچھ ایسا

رعب چھا گیا کہ تلوار اس کے ہاتھ سے گر پڑی۔ آپ نے جلدی سے اُٹھا لی اور فرمایا۔ "اے غورث! اب تمہیں بچانے والا کون ہے؟" سپاہی نے جواب دیا۔ "افسوس! کوئی نہیں"۔ "تو پھر مجھ سے رحم کا سبق سیکھو" یہ کہتے ہوئے آپ نے تلوار واپس کر دی۔ اس برتاؤ کا اس پر ایسا اثر ہوا کہ وہ مسلمان ہو گیا۔ اور مستقبل میں آنحضرتؐ کا جاں نثار پیرو ثابت ہوا۔

لیکن کفار اور مسلمانوں کے درمیان یہ چھیڑ چھاڑ آئندہ عظیم الشان جنگوں کی صرف ایک تمہید تھی۔

سنہ ۳ھ
۲۶ر اپریل ۶۲۴ء سے
۱۵ر اپریل ۶۲۵ء تک

کفار انتقام کی آگ میں جلے جاتے تھے۔ وہ مسلمانوں کے ساتھ ایک اور جنگ کے لئے نہایت خوفناک تیاریاں کر رہے تھے۔ ان کے سفیر قبائل تہامہ اور کنانہ کی امداد حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ اور ان کی متحدہ فوجیں جن کی تعداد تین ہزار سامان جنگ سے آراستہ سپاہیوں تک پہنچتی تھی جن میں سات سو زرہ پوش جنگجو تھے۔ صرف ایک جذبۂ انتقام سے متاثر ہو کر میدان میں نکل آئی تھیں۔

یہ فوج سنگدل ابوسفیان کی سرکردگی میں بغیر کسی رکاوٹ کے مدینہ کے شمال مشرق کی طرف ایک منتخب جگہ پر ٹھہر گئی۔ اب اُن کے اور مدینہ کے درمیان صرف کوہِ اُحد اور ایک وادی حائل تھی۔ اس محفوظ جگہ سے وہ مدینہ والوں کے کھیتوں اور نخلستانوں پر چھاپے مارتے تھے۔

اپنے مال و املاک کی تباہی کو دیکھ کر مسلمان غضب ناک ہو گئے۔ ان کے جوش سے متاثر ہو کر آنحضرت ایک ہزار مسلمانوں کی فوج لے کر مدینہ سے نکلے۔ یہودیوں

کی دشمنی اس نازک موقع پر ظاہر ہوئی۔ اور عبداللہ بن ابی اپنے تین سو منافقین کی جمعیت لے کر واپس چلا گیا۔ اب مسلمانوں کی قوت صرف سات سو افراد تک رہ گئی جن کے پاس صرف دو گھوڑے تھے۔ لیکن پھر بھی جانبازوں کا یہ دستہ نہایت استقلال سے بڑھتا گیا۔ اور درختوں کے جھنڈوں سے پناہ لیتا ہوا اُحد کی پہاڑی پر قابض ہو گیا۔ رات تو اُنھوں نے گھاٹی میں گزاری اور علی الصباح نماز سے فارغ ہو کر اور ہتھیار لگا کر میدان میں نکل آئے۔ آنحضرتؐ خود پہاڑی کے عین نیچے کھڑے ہو گئے۔ اور ذرا بلندی پر فوج کی پشت پر تیر اندازوں کا ایک دستہ متعین فرما دیا تھا کہ وہ دشمن کے رسالہ کو اپنی زد میں رکھیں اور مسلمانوں کے پہلو بچائے رکھیں۔ انہیں تاکیدی احکام دیئے گئے کہ خواہ لڑائی کا نتیجہ کچھ ہو وہ اپنی جگہ سے نہ ہٹیں۔ قریش اپنی کثرتِ تعداد پر نازاں اپنے بتوں کو اُٹھائے میدان میں اُترے۔ اُمراء و رؤسا کی بیویاں رجز گاتی اور دفیں بجاتی ہوئی آگے آگے چلیں۔ قریش کا پہلا حملہ حضرت حمزہ

۱؎ برٹن لکھتا ہے۔ تاریخ اسلام کا یہ مشہور ترین مقام کوہِ اُحد کے جنوب کی طرف ایک نشیب قطعۂ زمین ہے۔ کفار کی فوجیں ابوسفیان اور اُس کے بتوں کو قلب میں لئے ہلال کی شکل بنائے ہوئے اُتریں۔ یہ مقام مدینہ سے شمال کی طرف تقریباً تین میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ تمام زمین سُرخ رنگ کے پتھروں کے ڈھیروں سے بھری پڑی ہے جو شہدا کی قبروں کے نشان ہیں۔ اس مقام سے پہاڑی پر نظر ڈالو تو عجیب ہیبت چھا جاتی ہے۔ اس کے جلے اور کٹے ہوئے پہلو لوہے کے تودوں کی طرح میدان سے اُٹھتے ہوئے نظر آتے ہیں، اور اس مضبوط دیوار میں صرف ایک ہی شگاف ہے جس میں مسلمانوں نے اپنے تیر اندازوں کی نافرمانی کی وجہ سے خالد بن ولید کے حملے سے پسپا ہو کر پناہ لی تھی۔ اس کی جلا دینے والی زمین کوئی درخت جھاڑی یا گھاس کی ایک پتہ تک نظر نہیں آتا۔ کوئی پرندہ یا حیوان اس کی جاں گسل اور گرم سطح پر قدم رکھنے کی جرأت نہیں کرتا۔ اس کی ننگی اور صاف چٹیانی رنیلا اور شفاف آسمان گھورتا ہوا نظر آتا ہے، اور اس نظارہ کو اور بھی بھیانک بنا دیتا ہے۔

۲؎ ابن الاثیر نے ان اشعار کا ملخص دیا ہے۔ جلد دوم صفحہ ۱۱۸۔ "بڑھے چلو اے عبدالدار کی (باقی بر صفحہ ۹۲)

کے ماتحت دستہ نے نہایت بہادری سے پسپا کر دیا۔ آپ دشمن کی ابتری سے فائدہ اُٹھا کر اُن کے قلب میں گھس گئے اور صفوں کی صفیں اُلٹ ڈالیں۔ مسلمانوں کی فتح کا نقارہ بجنے ہی والا تھا کہ ان کا تیر انداز دستہ کفار کو بھاگتے ہوئے دیکھ کر آنحضرتؐ کی تمام ہدایات کو بھول گیا اور مالِ غنیمت کی طرف متوجہ ہو گیا۔ خالد بن ولید (جو ابھی تک مسلمان نہ ہوئے تھے) مسلمانوں کی غلطی کو بھانپ گئے اور گھوڑا دوڑاتے ہوئے اپنے سواروں کے ساتھ مسلمانوں کے عقب پر حملہ آور ہوئے۔ کفار کی پیادہ فوج بھی پلٹی اور مسلمان دونوں طرف سے گھر گئے۔ حضرت حمزہ رضؓ اور مسلمانوں کے کئی دُوسرے بہادر سردار شہید ہوئے۔ حضرت علی رضؓ جنہوں نے سب سے پہلے کفار کی رجز کا جواب اپنی تلوار سے دیا تھا[۱] اور حضرت ابوبکر رضؓ اور عمر رضؓ سخت زخمی ہوئے۔ کفار تمام طرف سے آنحضرتؐ پر ٹوٹ پڑے جو فوج سے الگ چند جاں نثاروں میں گھرے کھڑے تھے۔ یہ لوگ کٹ کٹ کر آپ کے گرد گر رہے تھے۔ آپ زخمی ہو رہے تھے، اور خون بہہ رہا تھا۔ لیکن اس وقت بھی آپ ان محبت کرنے والے دِلوں کو نہ بھولے۔ اور اُن ہاتھوں کے لئے دُعائے رحمت فرمائی جو آپ کی پیشانی سے خون بند کرنے کی کوشش

(بقیہ صفحہ گزشتہ) اولاد! ہمت کرو اے عورتوں کے محافظو! اور اپنی تلواریں دشمن کے سینوں میں پیوست کر دو۔" "ہم ستارۂ صبح (طارق) کی بیٹیاں ہیں۔ ہم ریشمی قالینوں پر چلنے والی ہیں۔ دشمن کے ساتھ دلیری سے لڑو گے تو ہم تمہیں آغوش میں لے لیں گی، اور اگر تم پیٹھ دکھا گئے تو ہم نفرت سے مُنہ پھیر لیں گی۔"

[۱] طبری لکھتا ہے کہ کفار کا ایک مشہور و بہادر سردار طلحہ اپنی تلوار گھماتا ہوا حضرت علی رضؓ کے سامنے آیا اور آپ سے اس طرح مبارز طلبی کی "تم مسلمان کہتے ہو کہ ہمارے مقتول دوزخ میں جلتے ہیں اور تمہارے بہشت میں۔ آؤ! میں دیکھوں کہ تمہیں بہشت میں بھیج سکتا ہوں یا نہیں۔" آپ نے فرمایا "بہت اچھا" حضرت علیؓ نے اُسے زمین پر گرا لیا تو طلحہ پکارا "رحم کر اے میرے ابن عم!" آپ نے فرمایا "اچھا رحم ہی سہی کیونکہ تُو دوزخ کی آگ کے قابل نہیں۔"

کر رہے تھے۔ لیکن مدوجزر دیک ہی تھی۔ حضرت علی رضؓ جو چند بہادروں کے ساتھ دشمن کے قلب میں جان توڑ کر لڑ رہے تھے دشمن کے نرغے سے نکل کر ایک محفوظ مقام پر پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ آپ آنحضرتؐ کی شہادت کی (بے بنیاد) خبر سے سخت غمزدہ ہو رہے تھے لیکن مسلمانوں کی ایک اور جماعت کو کچھ فاصلے پر لڑتے دیکھ کر یہ بھی ہمراہیوں سمیت دشمنوں کی صفوں کو چیرتے ہوئے وہاں تک پہنچ گئے۔ اور جب دیکھا کہ آنحضرتؐ ابھی تک زندہ ہیں تو ایک جان توڑ کوشش کے ساتھ آپ انہیں اُحد کی بلندیوں پر ہٹا لے گئے۔ حضرت علیؓ اپنی ڈھال میں پانی لے آئے جس سے آنحضرتؐ کے چہرے اور زخموں کو دھویا گیا اور یہیں سب نے مل کر بیٹھے بیٹھے ظہر کی نماز ادا کی۔

قریش میں اب اتنی سکت نہ تھی کہ مدینہ کی طرف بڑھتے یا اُحد کی بلندیوں پر چڑھ کر مسلمانوں سے لڑتے، اس لئے مسلمان شہدا کی برید اعضا کے بعد وہ مدینہ کی حدود سے نکل گئے۔ ابوسفیان کی بیوی ہند نے اس وحشیانہ انتقام کے کام میں سب سے زیادہ اظہارِ جوش کیا۔ اس نے حضرت حمزہؓ کا سینہ چیر کر دل نکال لیا اور دوسرے شہداء کے ناکوں اور کانوں کا ہار بنا کر گلے میں پہنا۔

قریش کی اس وحشیانہ حرکت نے مسلمانوں کے جذبات سخت برانگیختہ کر دیئے۔ خود آنحضرتؐ اس قدر متاثر ہوئے کہ آپ نے اعلان کر دیا کہ آئندہ کفار کے مقتولوں کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا جائے۔ لیکن رحم و کرم اس غصہ پر غالب آگیا۔ اور آپ نے فرمایا۔ دشمن کی بدسلوکیوں کو صبر سے برداشت کرو۔ بے شک صابر ہی فلاح پائیں گے۔ اور اس دن سے وحشت و بربریت کا یہ عمل جو اس وقت تمام قوموں میں رائج تھا مسلمانوں کے لئے ممنوع قرار دیا گیا۔[1]

(حاشیہ بر صفحہ ۹۴)

مدینہ میں واپس آکر آنحضرتؐ نے ایک دستہ قریش کے تعاقب میں روانہ کیا تاکہ قریش پر ظاہر ہو جائے کہ شدید نقصان اُٹھانے کے باوجود مسلمانوں کی ہمتیں پست نہیں ہوئیں، اور ان کی رُوح ویسی ہی تازہ دم ہے۔ ابوسفیان نے جب تعاقب کے متعلق سُنا تو مکہ کی طرف بھاگا۔ لیکن راستہ میں مدینہ کے دو باشندوں کو شہید کرتا گیا۔ ساتھ ہی ایک پیغام آنحضرتؐ کو بھیجا کہ میں تمہیں اور تمہارے متبعین کو دُنیا سے نابود کرنے کے لئے جلد ہی لوٹوں گا۔ لیکن پہلے کی طرح اب بھی پُر از ایمان و ایقان جواب ملا" خدا ہمارے لئے کافی ہے اور وہی بہترین محافظ ہے"۔

اس تباہ کُن جنگ کا اثر ہمسایہ خانہ بدوش قبائل کی جنگی تیاریوں سے ظاہر ہو رہا تھا۔ ان میں سے اکثر آنحضرتؐ کے اس باہمت کام سے مرعوب ہو گئے لیکن بعض قبائل مسلمان مبلّغوں کو دھوکے سے اپنے ہاں لے جاتے اور وہاں قتل کر دیتے۔ ایسے ہی ایک موقع پر ستّر مسلمان نہایت دغا بازی سے بیرِ معونہ کے قریب شہید کر دیئے گئے۔ یہ جگہ قبائل بنی عامر اور بنی سلیم کی آبادی کے قریب ہے۔ اور اس میں مؤخر الذکر کا خاص طور پر ہاتھ تھا۔ ان شہدا میں سے دو آدمی بچ گئے۔ ایک مدینہ کی طرف آیا۔ اُسے راستے میں بنی عامر کے دو غیر مسلّح آدمی ملے جو آنحضرتؐ کی پناہ میں سفر کر رہے تھے۔ لیکن لاعلمی میں اس نے دونوں کو قتل کر دیا۔ آنحضرتؐ کو یہ سُن کر بہت افسوس ہوا کہ آپ کے ایک پیرو سے ایسی شدید غلطی ہوئی ہے۔ گو یہ غلطی لاعلمی میں سرزد ہوئی لیکن آپ نے مقتولین کے وارثوں کو خوں بہا دینے

(حاشیہ متعلقہ صفحہ ۹۳) ۱۔ یہود اپنے قیدیوں کو زندہ جلا دیا کرتے تھے اور نہایت بربریت سے مثلہ کیا کرتے تھے۔ یونانی، رومی اور ایرانی بھی یہی عمل کیا کرتے تھے۔ عیسائیت میں سولھویں صدی تک یہ عمل جاری رہا۔

کا حکم دے دیا۔ چنانچہ مسلمانوں اور دوسرے معاہد قبائل سے دیت اکٹھی کرنے کے لئے احکام جاری کئے گئے۔ بنی نضیر، بنی قریظہ اور دوسرے قبائل اس کی ادائیگی کے لئے مسلمانوں کے ساتھ برابر کے ذمہ دار تھے۔ آنحضرتؐ خود مع چند متبعین کے بنی نضیر میں تشریف لے گئے، اور اُن سے چندہ کا مطالبہ کیا۔ اُنہوں نے بظاہر اس مطالبہ کو منظور کر لیا، اور آپ سے قدرے توقف کرنے کی فرمائش کی۔ آپ ایک مکان کی طرف پشت کئے بیٹھے تھے کہ مکینوں کی پُر اسرار نقل و حرکت نے ان کے قاتلانہ منصوبے کو آپ پر ظاہر کر دیا۔

لیکن یہودیوں کی دشمنی کی تفصیل کے لئے ہمیں پھر گزشتہ واقعات سے رجوع کرنا پڑے گا۔ ہمیں معلوم ہے کہ آنحضرتؐ کے وُرودِ مدینہ سے لے کر کس سنگ صفتی سے وُہ آپ کے ہر ہر قدم پر رکاوٹیں ڈالتے رہے۔ وہ آپ کے متبعین میں بدظنی کا بیج بونے کی کوشش کرتے۔ وہ آپ پر اور آپ کے متبعین پر اتہامات لگاتے۔ وُہ قرآن کریم کے الفاظ کو غلط تلفظ سے ادا کرتے اور ان کا مفہوم بگاڑ دیتے۔ لیکن اسی پر بس نہیں۔ وُہ اپنی اعلیٰ تعلیم کی مدد سے اگر وہ منافقین کے اتحاد سے اور اس اتفاق سے جو بخلاف عربوں کی نا اتفاقی کے ان میں موجود تھا۔ وُہ اسلام کے لئے ایک خطرناک ترین عنصر ثابت ہو رہے تھے۔ غیر ترقی یافتہ اقوام میں شعراء کی وہی حیثیت اور وہی اثر ہوتا ہے جو موجودہ زمانہ میں اخبارات کو حاصل ہے۔ یہودی[۱]

[۱] شعراء کے اثر کی مثال مندرجہ ذیل واقعے سے ثابت ہو گی جس کا تعلق جنگِ اُحد سے ہے۔ اس جنگ کی تیاری کے دوران میں قریش نے ایک شاعر ابو عزہ سے استدعا کی کہ وہ قبائلِ صحرا میں ایک دورہ کرے اور انہیں مسلمانوں کے خلاف اُبھار کر جنگ پر آمادہ کرے۔ یہ شخص جنگِ بدر میں مسلمانوں کے ہاتھ قید ہو گیا تھا لیکن آنحضرتؐ نے بغیر فدیہ لئے اسے اس شرط پر رہا کر دیا تھا کہ آئندہ وہ مسلمانوں کے خلاف ہتھیار نہ اُٹھائے گا۔ لیکن اُس نے (باقی برصفحہ ۹۶)

شعراء اپنی اعلےٰ تربیت کی وجہ سے مدینہ والوں میں بہت با اثر تھے۔ اور یہ اثر مسلمانوں میں بغاوت کا بیج بونے اور مخالفین کی دشمنی کو بڑھانے پر صرف کیا جاتا تھا۔ بدر میں کفار کی شکست کو یہودیوں نے بھی اسی طرح محسوس کیا جس طرح مکیوں نے کیا تھا۔ اس جنگ کے فوراً ہی بعد ان کی قوم کا ایک معزز فرد کعب بن اشرف جو قبیلہ نضیر سے تھا برسرِ عام کفار کی شکست پر افسوس کرتا ہؤا مکہ کو روانہ ہو گیا۔ وہاں لوگوں کے غم و غصہ سے فائدہ اُٹھا کر اُس نے ان کی ہمت بندھانے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا۔ اُس نے آنحضرتؐ اور آپ کے متبعین کی ہجویں سُنا سُنا کر اور کفار کے مقتولین کے نوحے اور مرثیے گا گا کر قریش میں وہ جوش و غضب پیدا کیا جو میدانِ اُحد میں ظاہر ہؤا۔ جب اس کا مطلب پورا ہو گیا، تو وہ بنی نضیر کے قلعہ میں واپس چلا آیا۔ اور آنحضرتؐ اور آپ کے متبعین کے متعلق نفرت انگیز اشعار کہتا رہا۔ مسلمانوں کی مستورات بھی اس کی ناپاک شاعری کے حملوں سے محفوظ نہ رہیں۔ اس کے الفاظ صریحاً اس دولت عامہ کے خلاف تھے جس کا وہ خود ایک فرد تھا۔ وہ اس قبیلہ کا فرد تھا جو مسلمانوں کے عہدنامہ کو قبول کر چکے تھے اور سلطنت کے اندرونی اور خارجی تحفظ کے ذمہ دار تھے۔ بنی نضیر کا ایک اَور یہودی ابو رافع سلام بن ابو الحقیق بھی مسلمانوں کی دشمنی میں اس کا ہم پلّہ تھا۔ وہ اپنے قبیلے کی ایک شاخ کے ساتھ جو خیبر کے نزدیک آباد تھی، مدینہ سے شمال مغرب کی طرف چار پانچ دن کی مسافت پر رہتا تھا۔ اس نے اپنے ہمسایہ عرب قبائل مثلاً سلیم اور غطفان کے اُبھارنے میں پُورا زور لگا دیا۔ اب دولتِ عامۂ

(بقیہ صفحہ ۹۵) اپنے وعدہ کے خلاف قبائل میں جا کر انھیں جنگ پر آمادہ کیا اور اپنے مقصد میں کامیاب ہؤا۔ جنگ اُحد کے بعد وہ پھر مسلمانوں کے ہاتھوں میں قید ہؤا اور قتل کر دیا گیا۔

اسلامیہ کے لئے ان لوگوں کی دغا بازیوں کو برداشت کرنا ناممکن ہو گیا تھا جن کی ہر طرح پاسداری کی گئی تھی کہ اگر وہ مدد نہیں کر سکتے تو کم سے کم غیر جانبدار رہیں - اب مسلمانوں کی ہستی تک خطرے میں پڑی ہوئی تھی اور تحفظ کا ہر اصول اس بات کا متقاضی تھا کہ ان غدارانہ سازشوں کو خاموشی سے دبا دیا جائے - مدینہ والوں نے متفقہ طور پر انہیں بغاوت کی سزا کا مستوجب قرار دے دیا - ایک کو بنی اوس کے ایک فرد نے اور دوسرے کو ایک خزرجی نے کیفر کردار تک پہنچایا -

عیسائی مناظرین اس سزا کو خون سے تعبیر کرتے ہیں اور چونکہ اس کی انجام دہی کے لئے دو مسلمانوں کو خفیہ طور پر بھیجا گیا تھا اس لئے وہ رسول اللہ سے تعصب کی بنا پر اس سزا کے مبنی بر انصاف ہونے اور اس کے بہ تعجیل اور رازدارانہ طریق پر انجام پانے کی طرف سے آنکھیں بند کر لیتے ہیں - اس وقت کوئی پولیس یا منصفوں کی عدالت نہ تھی - اور نہ کورٹ مارشل کا وجود تھا کہ وہ مجرم افراد کے مقدمہ کی سماعت کرتا حکومت کے کسی خاص مقرر کردہ جلاد کی عدم موجودگی میں کوئی سا فرد ان فرائض کو انجام دے سکتا ہے - ان لوگوں نے عہدنامہ کی خلاف ورزی کی تھی - انہیں بر سر عام زیر حراست کرنا یا ان کے قبیلوں کے سامنے سزا دینا ایک شدید خونریزی اور غیر متناہی سلسلہ انتقام کھڑا کر دینے کے بغیر بالکل ناممکن تھا - حکومت کے حالات اس بات کے متقاضی تھے کہ جو کچھ بھی ان باغیوں کے متعلق کرنا ہے فوراً کیا جائے اور نہایت خاموشی سے کیا جائے[1] - کیونکہ حکومت کی بقا اور شہر کی امن و سلامتی اس بات پر منحصر تھی کہ مجرموں

---

[1] ہمارے عیسائی مورخین اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ عقلمند سولن (Solon) نے بھی اپنے چھوٹے سے شہر کے تحفظ کے لئے ایتھنز والوں کو مجبور کر دیا تھا کہ یا تو وہ جلاد کے فرائض انجام دیتے ہوئے مفسدوں کا تعاقب کریں (بقیہ صفحہ ۹۸)

کو فوراً سزا دی جائے۔ اس سے پہلے کہ وہ اپنے قبائل کو اپنے گرد جمع کرلیں۔

شوال سنہ ۲ھ فروری سنہ ۶۲۴ء	ان دو غداروں کے حشر اور بنی قینقاع کے مدینہ سے اخراج نے آنحضرتؐ کے خلاف بنی نضیر کی دشمنی کو اور بڑھا دیا۔ بنی قینقاع

کی جلاوطنی کے اسباب مجمل سے بیان کے محتاج ہیں، دوسرے یہودی قبائل عموماً زراعت پیشہ تھے لیکن بنی قینقاع کا ایک بھی کھیت یا نخلستان نہ تھا۔ وہ عام طور پر صناع تھے جو ہر قسم کی صنعت و حرفت میں حصہ لیتے تھے۔ وہ سازشی اور بے اصول تھے اور اسکندریہ کے یہودیوں کی طرح ہر وقت لڑائی لینے کے لئے تیار رہتے تھے۔ اور اپنے پست اخلاق کی وجہ سے ہر جگہ مشہور تھے۔ ایک دن ایک دیہاتی نوجوان لڑکی دودھ بیچنے کے لئے ان کے بازار میں گئی۔ نوجوان یہودیوں نے اس کی سخت توہین کی۔ ایک مسلمان راہگیر نے لڑکی کی حمایت کی جس پر بلوہ ہوگیا۔ اور اس بے حرمتی کا بانی مارا گیا۔ اس پر تمام یہودی اٹھ کھڑے ہوئے اور مسلمان کو قتل کردیا۔ اب ایک خوفناک نظارہ پیش نظر ہوگیا۔ مسلمانوں نے اپنے بھائی کے قتل پر مشتعل ہوکر ہتھیار سنبھال لئے جس پر خون کی ندیاں نکلیں اور طرفین کے بہت سے آدمی مارے گئے۔ آنحضرتؐ خبر سنتے ہی موقع پر پہنچے اور اپنے اثر سے مسلمانوں کا جوش ٹھنڈا کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ آپ نے ان نتائج پر غور کیا۔ جو ان سازشوں اور قانون شکنیوں کے اثر سے پیدا ہونے والے تھے۔ اگر ان کا سدباب نہ ہوتا، تو مدینہ ایک ایسا اکھاڑہ بن جاتا جس میں دشمن گروہوں کے افراد ایک دوسرے کو نہایت بے رحمی سے قتل

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۹۷) یا خود دونوں گروہوں میں سے ایک میں شامل ہوجائیں، وہ اس بات کو بھی بھول جاتے ہیں کہ عیسائی انگلستان کا قانون ہر شخص کو اجازت دیتا ہے کہ وہ باغی کا پیچھا کرے اور اسے قتل کردے۔

کرتے نظر آتے۔ یہودیوں نے کھلم کھلا اور جان بوجھ کر عہد نامے کی شرائط کو توڑا تھا۔ یہ ضروری تھا کہ ایک مضبوط ہاتھ عہد شکنی کو فوراً روک دے یا امن وسلامتی کی تمام امیدوں کو الوداع کہہ دی جائے۔ چنانچہ آنحضرتؐ بنی قینقاع کے علاقہ میں تشریف لے گئے اور ان سے مطالبہ کیا کہ یا تو اسلام قبول کر کے پوری طرح دولتِ عامۂ اسلام میں داخل ہو جاؤ۔ یا مدینہ کو خالی کر دو۔ یہودیوں نے نہایت اشتعال انگیز جواب دیا۔ "اے محمدؐ! اپنی قوم پر فتح حاصل کر کے بھول نہ جاؤ۔ تمہیں ایسے لوگوں سے سابقہ پڑا تھا جو فنونِ جنگ سے بے بہرہ تھے۔ اگر تمہاری خواہش ہو تو ہم تمہیں بتا دیں گے کہ ہم مرد ہیں۔" اُنہوں نے قلعے کے دروازے بند کر لئے اور جنگ پر آمادہ ہو گئے لیکن مسلمانوں کے لئے ان وجوہ سے خلاصی پانا ضروری تھا۔ اس لئے فوراً محاصرہ کر لیا گیا۔ پندرہ دِن کے بعد اُنہوں نے ہتھیار ڈال دیئے۔ پہلے تو اُنہیں سخت سزا دینے کا ارادہ تھا۔ لیکن آنحضرتؐ کی رحم دلی عدل پر غالب آگئی اور صرف جلا وطنی پر اکتفا کیا گیا۔

یہ تمام واقعات بنی نضیر کے سینوں میں سانپ کی طرح پیچ وتاب کھا رہے تھے۔ وُہ آنحضرتؐ سے چھٹکارا پانے کے لئے کسی موقع کی تاک میں تھے اور اس لئے آپ کی آمد کو انہوں نے تائیدِ ایزدی تصوّر کیا۔ لیکن جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ ان کے ناپاک منصوبے آنحضرتؐ پر ظاہر ہو گئے۔ آپ فوراً اس جگہ سے ہٹ گئے اور اس طرح اپنے آپ کو اور اپنے متبعین کو ایک یقینی ہلاکت سے بچا لیا۔

بنی نضیر کی اب بالکل وُہی حالت ہو گئی تھی جو ان سے قبل بنی قینقاع کی تھی۔ اُنہوں نے خود اپنے طرزِ عمل سے اپنے آپ کو عہد نامہ کی حدود سے باہر کر لیا۔ اس لئے

آنحضرتؐ نے مدینہ واپس آنے پر انہیں بھی وہی پیغام بھیجا جو اس سے قبل بنی قینقاع کو بھیجا گیا تھا۔ منافقین اور عبداللہ بن ابی کی امداد کے بھروسے پر انہوں نے نہایت بے باکانہ جواب دیا۔ لیکن انہیں عبداللہ اور اپنے بھائیوں یعنی بنی قریظہ کی طرف سے سخت مایوسی ہوئی اور پندرہ دن کے محاصرے کے بعد شرائط صلح کے لئے التجا کرنی پڑی۔ وہی شرائط دہرائی گئیں۔ جو پہلے پیش کی گئی تھیں۔ چنانچہ انہوں نے جلاوطن ہونا قبول کر لیا۔ اسلحہ جنگ کے سوا انہیں تمام منقولہ جائداد لے جانے کی اجازت دے دی گئی۔ روانگی سے پہلے انہوں نے اپنے گھروں کو تباہ کر دیا تاکہ مسلمان ان سے مستفید نہ ہوں۔

ربیع الاول سنہ ۴ھ جون تا جولائی سنہ ۶۲۵ء	ان کی زمینیں اور سامان جنگ جو وہ اپنے ساتھ نہ لے جا سکتے تھے، آنحضرتؐ نے انصار سے اجازت لے کر مہاجرین میں تقسیم

کر دیئے جو ابھی تک اپنے مدنی بھائیوں کی فیاضانہ امداد کے محتاج تھے۔ باوجود اس برادرانہ محبت کے جو انصار اور مہاجرین میں تھی آپ کو معلوم تھا کہ مدینہ والوں کی امداد غیر مستقل ہے۔ اس لئے آپ نے انصار کے رؤسا کو جمع کیا۔ اور ان سے دریافت فرمایا کہ اس مال کو ان کے غریب مہاجر بھائیوں میں تقسیم کرنے پر انہیں کوئی اعتراض تو نہیں۔ سب نے یک آواز ہو کر کہا۔ "یہودیوں کا مال ہمارے بھائیوں میں تقسیم کر دو۔ اور ہمارے مال میں سے بھی کچھ حصہ انہیں دے دو۔ ہم بخوشی اجازت دیتے ہیں۔" اس پر آپ نے اس جائداد کو مہاجرین میں تقسیم کر دیا، اور دو انصار کو بھی حصہ ملا۔ جو بہت غریب تھے۔

بنی نضیر کی جلاوطنی ربیع الاول سنہ ۴ھ میں ہوئی۔ اس سال کا باقی حصہ اور

آئندہ سال کا ابتدائی حصہ خانہ بدوش دشمن قبائل کی بغاوتیں فرو کرنے اور مدینہ پر چند خونریز حملوں کی سرکوبی کرنے میں صرف ہوا[1]۔

۵ھ ۲۳ مئی ۶۲۶ء سے ۱۲ اپریل ۶۲۷ء تک	اس اثنا میں دشمنانِ اسلام بھی بےکار نہ رہے۔ کفار نے دور دراز علاقوں میں اپنے سفیر بھیجے تاکہ قبائل کو مسلمانوں کے خلاف اُبھاریں ان کوششوں میں یہود سب سے پیش پیش تھے۔ بنی نضیر کے جو

آدمی خیبر میں تھے اُنہوں نے انتقام کی اُمیدوں سے مشتعل ہو کر مسلمانوں کے استیصال کے لئے ایک انجمن بنائی۔ ان کی کوششیں ان کی امید سے بھی بڑھ کر بار آور ہوئیں۔ ایک ہیبت ناک اتحادِ عمل میں آیا اور ساز و سامان سے آراستہ دس ہزار سپاہیوں کی ایک فوج ظالم ابوسفیان کی سرکردگی میں مدینہ پر چڑھ دوڑی۔ راستے میں کسی قسم کی مزاحمت نہ ہونے کی وجہ سے وہ مدینہ سے چند میل کے فاصلے پر اُحد کی طرف آن ٹھہرے جو شہر کا سب سے زیادہ غیر محفوظ پہلو تھا۔ ان کے مقابلہ کے لئے مسلمانوں کو صرف تین ہزار جوان میسر آسکے۔ اپنی تعداد کی قلت اور منافقین کی فتنہ انگیز مخالفت

شوال ۵ھ ۲ر فروری ۶۲۷ء	کے خیال سے مجبور ہو کر مسلمانوں نے تحفظ و دفاع کی تدابیر اختیار کیں۔ شہر کے کمزور مقامات کے گرد گہری خندق کھود دی۔ عورتوں

اور بچوں کو شہر کے مضبوط مکانات میں محفوظ کر دیا۔ اور خود خندق کے پیچھے صف آرا ہو گئے۔ شہر کے جنوب مشرق کی طرف تھوڑے ہی فاصلے پر بنو قریظہ کے کئی قلعے تھے

[1] اس قبیل کی ایک وہ مہم تھی جو دومۃ الجندل کے عیسائی عربوں کے خلاف بھیجی گئی تھی۔ اُنہوں نے مدینہ والوں کے لئے شام کا راستہ بند کر دیا تھا اور مدینہ پر حملہ آور ہونے کی دھمکیاں دیتے تھے۔ لیکن قزاقوں کا یہ گروہ مسلمانوں کے پہنچنے پر بھاگ نکلا۔ اور آنحضرتؐ ایک ہمسایہ سردار سے معاہدات کر کے واپس تشریف لائے۔ اس سردار کو مدینہ کی چراگاہوں سے فائدہ اُٹھانے کی اجازت دی گئی تھی۔

اس سمت کے تحفظ کے لئے مسلمانوں کو پورا بھروسہ تھا کہ اگروہ دشمن کے دفاع کے لئے عملی حصّہ نہ لیں گے ، توکم ازکم غیر جانبدار ضرور رہیں گے ۔ کیونکہ وہ عہد نامے کی رُو سے تمام بیرونی حملوں میں مسلمانوں کی امداد کے ذمہ وار تھے ۔ ان یہودیوں کو کفار نے عہد شکنی کرنے پر آمادہ کر لیا اور اپنے ساتھ شامل کر لیا ۔ جُونہی آنحضرتؐ کو ان کی عہد شکنی کا علم ہُوا آپ نے سعد ابن معاذ اور سعد ابن عبادہ کو ان کے فرائض کی یاددہانی کے لئے بھیجا ۔ اُنہوں نے نہایت ترشروئی سے جواب دیا "محمدؐ کون ہے ؟ خدا کا پیغمبر کون ہے ؟ کہ ہم اس کی اطاعت کریں ؟ ہمارے درمیان کوئی عہد نامہ نہیں ہُوا"

چونکہ یہ یہودی موقع و محل سے اچھی طرح واقف تھے اور شہر کے کمزور مقامات دکھا کر محاصرین کی عملی امداد کر سکتے تھے اس لئے مسلمانوں میں سخت اضطراب پھیل گیا منافقین کی موجودگی نے خطرات کو اور زیادہ کر دیا۔[1]

کُفّار اور یہود نے مسلمانوں کو کھُلے میدان میں لانے یا یہودیوں کی رہنمائی میں شہر پر ناگہانی حملہ کرنے کی بہت کوششیں کیں لیکن ناکام رہے ۔ اب اُنہوں نے حملۂ عام کا قصد کیا ۔ محاصرہ کئے بیس دن ہو چکے تھے ۔ صحرا کے مضطرب و بے قرار طبع قبائل جو مسلمانوں کو ایک آسان لقمہ سمجھ کر قریش کے ساتھ آ گئے تھے اس طویل محاصرے سے اُکتا گئے ۔ محاصرین کے سرداروں نے خندق عبُور کرنے کی بہت کوششیں کیں لیکن

---

[1] یہ تمام نظارہ قرآن مجید میں سورۃ الاحزاب میں نہایت خوبصورتی سے بیان ہُوا ہے ۔

" اس وقت کو یاد کرو جب دشمن اُوپر کی طرف سے اور نیچے کی طرف سے تم پر چڑھ آیا ۔ اور (خوف سے) تمہاری آنکھیں پھر گئیں اور کلیجے مُنہ کو آ گئے اور تم خدا کی نسبت طرح طرح کے گمان کرنے لگے ۔ وہ مسلمانوں کی آزمائش کا وقت تھا ۔ اور ان پر شدید لرزہ طاری تھا ۔ اور جب منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں (شک کے) روگ تھے پکار اُٹھے ۔ کہ "خدا اور اُس کے رسُول کا وعدہ نرا دھوکا ہی نکلا"

مسلمانوں نے ہر حملے کو پسپا کر دیا۔ اب حالات کفار کے خلاف ہوتے ہوئے معلوم ہوئے اُن کے گھوڑے بھوک سے مرنے لگے اور سامان رسد کم ہو گیا۔ نا اتفاقی تو اُن میں پہلے ہی پھیلی ہوئی تھی۔ لیکن مسلمانوں کے دُور اندیش سردار نے اپنی بے نظیر دانائی سے انہیں اور بھی بیدل کر دیا۔

ایک لحظہ میں دشمنوں کی یہ عظیم الشان متحدہ افواج ہوا میں کافور ہو گئیں۔ رات کی خوفناک تاریکی میں آندھی اور بارش کے ایک غضب ناک طوفان نے ان کے خیمے اُکھاڑ پھینکے اور روشنیاں گُل کر دیں۔ ابوسفیان اپنی افواج لے کر بھاگا اور جو باقی بچے اُنہوں نے بنی قریظہ کے پاس پناہ لی۔ آنحضرتؐ نے رات ہی کو دشمن کے انتشار کی خبر دے دی تھی۔ اور دن نکلتے ہی لوگوں نے اس پیشین گوئی کو پُورا ہوتے دیکھ لیا اور مُسلمان خوش ہو کر شہر میں واپس آئے۔

۵ھ ۲۸ر فروری ۶۲۶ء سے ۲۴ر مارچ ۶۲۷ء تک	لیکن مسلمانوں کی فتح اس وقت تک مکمل نہ ہو سکتی تھی جب تک بنی قریظہ جیسی خطرناک قوم ان کی ہمسائیگی میں موجود تھی۔ اُنہوں نے اپنے آپ کو عہد وپیمان کے باوجود غدار ثابت کیا تھا۔ اور ایک دفعہ تو

بے خبری میں مدینہ پر ٹوٹ ہی پڑے تھے۔ یہ ایک ایسا واقعہ ہے کہ اگر اس میں وہ کامیاب ہو جاتے۔ تو مسلمانوں کا قتل عام ہو جاتا۔ مسلمانوں نے اپنا فرض سمجھا کہ اُن سے اس غداری کا جواب طلب کیا جائے۔ یہود نے نہایت دیدہ دلیری سے کام لے کر جواب دہی سے انکار کر دیا۔ نتیجہ یہ ہُوا کہ ان کا محاصرہ کر لیا گیا، اور وہ ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو گئے۔ اُنہوں نے صرف ایک شرط پیش کی کہ ان کی سزا کا فیصلہ بنی اوس کے سردار سعد بن معاذ پر چھوڑ دیا جائے۔ اس شخص نے جو ایک تند مزاج سپاہی تھا اور جو اسی حملے کے دَوران میں زخمی

ہوا تھا۔ یہود کے اس غدارانہ طرزِ عمل پر سخت غضب ناک ہو کر فیصلہ کیا کہ یہود کے تمام جنگ کے قابل آدمی موت کے گھاٹ اُتار دیئے جائیں۔ اور اُن کی عورتیں اور بچے مسلمانوں کے لونڈی غلام بنا لئے جائیں۔ چنانچہ اس فیصلہ پر عمل کیا گیا۔ سعد اس فیصلہ کے دُوسرے ہی روز وفات پا گیا۔ لین پول لکھتا ہے: "یہ ایک ایسا سخت اور خونیں فیصلہ ہے، جو اہلِ الٰہی پر حملہ کرنے والی افواج کے جرنیلوں ہی کو زیب دیتا تھا یا اس کی مثال آگسٹن عہد کے متصوفین کے مظالم ہی میں نظر آسکتی ہے۔ لیکن اس بات کو پیشِ نظر رکھنا چاہئے کہ ان اشخاص کا جرم محاصرہ کے وقت حکومت کی بغاوت کرنا تھا اور جن لوگوں نے تاریخ میں پڑھا ہے کہ کس طرح ولنگٹن کی گزرگاہ فوج کے مفرورین کی لاشوں سے پٹی پڑی تھی، انہیں ایک غدار چھوٹے سے قبیلے کے قتل پر حیران نہ ہونا چاہئے۔

یہودیوں کے چند قبائل کی سزا ہی نے میور، اسپرنگر، ویل اور اوسبرن جیسے آنحضرتؐ کے عیسائی سوانح نگاروں کے لئے ناجائز حملے کی راہ بھی کھول دی ہے۔ بنی قینقاع اور بنی نضیر کو ان کے جرائم کے مقابلہ میں بہت ہلکی سزائیں دی گئیں۔ صرف بنی قریظہ ہی کو کسی قدر سخت سزا دی گئی۔

انسانی فطرت کی ترکیب ہی کچھ ایسی واقع ہوئی ہے کہ کسی شخص کا جُرم کتنا ہی سنگین کیوں نہ ہو جس وقت اسے سزا دی جاتی ہی ہمیں درشت اور ظالمانہ معلوم ہوتی ہے۔ ہمارے احساسات میں ایک قدرتی انقلاب واقع ہو جاتا ہے اور ہمارے دلوں میں انصاف کی بجائے رحم جاگزین ہو جاتا ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ ہمارے نقطۂ نظر سے بنو قریظہ کی سزا سخت تھی۔ لیکن خواہ ہم ان بیچاروں کی قسمت پر کتنا ہی افسوس کریں۔ جنہوں نے کہ اپنی قسمت کا فیصلہ اپنی مرضی سے ایک غضب ناک سپاہی کے ہاتھ میں دے دیا۔ خواہ ہم

کتنا ہی افسوس کریں کہ فلاں شخص کو اس طرح نہیں بلکہ اس طرح سزا دینی چاہئے تھی لیکن ہمیں جذبات رحم کے لئے انصاف کو نظر انداز نہ کر دینا چاہئے۔ ہمیں ان کے جرائم کو بھی پیش نظر رکھنا چاہئے، ان کی غداری کو، ان کی ظاہر و ثابت دشمنی کو، ان کی اس عہد شکنی کو بھی پیشِ نظر رکھنا چاہئے، جس سے دُور رہنا ان کا اوّلین اخلاقی فرض تھا۔ مزید براں ہمیں ان ترغیبات کو بھی پیشِ نظر رکھنا چاہئے جو یہوداہ کے یہ پرستار بت پرستی کے قائم رکھنے کے لئے کفارِ عرب کو دیتے تھے۔ اخلاقیات کے عیسائی علمبردار آرنلڈ کی طرح کچھ مسلمان بھی یہ کہنے کا حق رکھتے ہیں کہ "ظالم و مفسد کا فنا کرنا اس سے سو درجہ بہتر ہے کہ وہ اپنی ناپاک صحبت سے بے گناہوں کو بھی آلودہ کرے[1]"۔

یہ مسلمان صرف ایک لفظ کے تغیر سے اسی طرح کہہ سکتے ہیں "آؤ ہم غور کریں کہ ہمارا اور ان تمام دوسری اقوام کا جو اس وقت آسمان کے نیچے آباد ہیں کیا حشر ہوا ہوتا۔ اگر عربوں[2] کی تلوار اپنا کام کفایت سے انجام دیتی۔ عربوں[3] کی تلوار اپنے خونیں کارناموں کے ساتھ تمام ممالکِ عالم کے لئے دُنیا کے دوسرے سرے تک رحم و کرم کے بیج بو گئی"۔ اگر عیسائیوں کی دلیل صحیح ہے اور بے رحمانہ نہیں تو یقیناً مسلمانوں کی دلیل اس کے خلاف نہیں ہو سکتی۔ دُوسرے مسلمان بنی قریظہ کے اس خوفناک فیصلے کو اسی نظر سے دیکھ سکتے ہیں جس نظر سے کارلائل باشندگانِ ڈروغیڈہ کے قتلِ عام کے متعلق کرامول کے وحشیانہ حکم کو دیکھتا ہے "ایک مسلح سپاہی، ان جذبات کے ساتھ کہ وہ خدائے عادل کا سپاہی ہے ایک ایسا جذبہ جو ہر سپاہی اور ہر انسان کو ہر وقت اپنے دِل میں موجود رکھنا چاہئے ــــ موت کی طرح غضب ناک۔ تقدیر کی طرح

---

[1] خطبات آرنلڈ۔ غزوات اسرائیلیہ صفحہ ۳۵-۳۶

[2،3] اصل میں "اسرائیلیوں"

بے رحم، خدائی انصاف کو اس کے دشمنوں پر ظاہر کر رہا تھا۔"

لیکن یہودیوں کو جو سزا دی گئی اہم اُسے ان دونوں میں سے کسی ایک نقطۂ نظر سے بھی نہیں دیکھتے۔ ہم صرف یہ جانتے ہیں کہ اُس وقت کے قوانینِ جنگ کے مطابق انہیں نہایت منصفانہ سزا دی گئی!" اُس زمانہ کے رسومِ جنگ کے مطابق قوانین کا پوری طرح اطلاق کیا گیا۔[1] ان لوگوں نے اپنی بدقسمتی کو خود بُلایا۔ اگر یہ لوگ سعد کے فیصلے کے بغیر بھی قتل کر دیئے جاتے تو یہ اس زمانہ کے قوانین کے بالکل مطابق ہوتا لیکن اُنہوں نے اپنی قسمت کا فیصلہ کرنے کے لئے سعد کو خود منتخب کیا۔ انہیں معلوم تھا کہ اس کا فیصلہ اُن کے طرزِ عمل کے خلاف نہیں اور اس لئے اُنہوں نے کوئی عذر پیش نہ کیا۔ انہیں معلوم تھا کہ اگر وہ کامیاب ہو جاتے تو اپنے دشمنوں کو بغیر کسی افسوس کے ذبح کر ڈالتے۔ لوگ حضرت داؤد کی خوں ریزیوں کو" اُس زمانہ کی روشنی میں دیکھتے ہیں"۔ قدیم عیسائیوں کی خوفناک خونریزیاں خاص "روشنیوں" میں دیکھی جاتی ہیں۔ قدیم مسلمانوں کی دفاعی لڑائیاں کیوں نہ اس نقطۂ نظر سے دیکھی جائیں! لیکن نقطۂ نظر خواہ کوئی ہو، بے تعصب دِل جانتے ہیں کہ بنی قریظہ کی سزا میں آنحضرتؐ پر کوئی الزام عائد نہیں ہو سکتا۔

مقتولین کی تعداد زیادہ سے زیادہ دو اڑھائی سو تھی۔ کہا جاتا ہے کہ بقیۃ السیف کی تقسیم میں ایک نوجوان یہودن ریحانہ آنحضرتؐ کے حصّے میں بھی آئی، اور بعض کہتے ہیں کہ تقسیم سے قبل وہ آپ کے لئے الگ کر دی گئی تھی، عیسائی مؤرخین جو آپ کی ذات پر بے جا حملہ کرنے کے لئے ہر وقت موقع کی تاک میں لگے رہتے ہیں اِس موقع پر بھی افسانہ گھڑنے سے نہیں چُوکے۔ غلامی کی بحث کو ہم کسی آئندہ باب پر چھوڑتے ہیں لیکن

---

[1] تاریخِ یونان جلد ششم۔

یہاں صرف یہ بتا دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ اگر اس واقعے کو صحیح بھی سمجھ لیا جائے تو ہمیں جدید خیالات کے بموجب اس پر معترض ہونے کا کوئی حق نہیں کیونکہ یہ اس زمانہ کے مراسم جنگ کے بالکل مطابق تھا۔ ریحانہ کے آنحضرتؐ کی بیوی بننے کی کہانی سراسر جھوٹ ہے کیونکہ اس واقعہ کے بعد وہ اوراقِ تاریخ پر کبھی نظر نہیں آتی حالانکہ آپ کی دوسری ازواجِ مطہرات کے حالات بالتفصیل مذکور ہیں۔

چھٹا باب

رسولؐ اللہ کی رحمدلی

دعا الی اللہ فالمستمسکون بہٖ
مستمسکون بحبلٍ غیر منفصم

سنہ ۶ھ
۲۳؍اپریل ۶۲۷ء سے
۱۲؍اپریل ۶۲۸ء تک

یہود اور کفار کی متحدہ قوتیں دولتِ عامۂ مدینہ کی تباہی میں ناکام رہیں۔ مسلمان اسے ایک معجزہ سے تعبیر کرنے میں حق بجانب تھے لیکن صحرا کے وحشی اور خونخوار قبائل حدودِ مدینہ کے اندر اکثر قتل وغارت گری کو جاتے۔ حکومت کی بقا ان کی فوری سرکوبی کی متقاضی تھی۔ کئی مہمیں ان رہزنوں کے خلاف بھیجی گئیں لیکن وہ مسلمانوں کی آمد کی خبر سنتے ہی بھاگ جاتے۔ بنی لحیان جنہوں نے آنحضرتؐ سے درخواست کرکے کئی مبلّغوں کو اپنے قبیلہ میں بلایا تھا اور بعض کو قتل کرکے باقیوں کو کفارِ مکّہ کے ہاتھ بیچ دیا تھا۔ ابھی تک انہیں کوئی سزا نہ دی گئی تھی لیکن اب وقت آ پہنچا کہ انہیں اس جرم کی سزا دی جائے۔ جمادی الاوّل میں فوج کا ایک دستہ آنحضرتؐ کی ماتحتی میں بنی لحیان کے خلاف روانہ ہوا۔ ان قزاقوں کو وقت پر اطلاع مل گئی اور وہ پہاڑیوں کی طرف بھاگ نکلے اور مسلمان مدینہ واپس آ گئے۔

کچھ دنوں کے بعد خیلِ غطفان کی ایک شاخ بنی فزارہ نے مدینہ کے غیر محفوظ حصے پر حملہ کر دیا۔ مسلمانوں کے اونٹ ہانک لے گئے، ان کے محافظ کو قتل کر دیا، اور اس کی بیوی

کو اُٹھا لے گئے۔ مسلمان فوراً اُن کے تعاقب میں روانہ ہوئے۔ چند اونٹ واپس مل گئے لیکن باقی مال لے کر بدوی صحرا میں نکل گئے۔

اسی زمانہ میں آنحضرتؐ نے کلیسائے سینٹ کیتھرائن کے پادریوں کو اور تمام عیسائیوں کو ایک دستاویز عطا فرمائی جو صفحاتِ تاریخِ عالم میں مذہبی رواداری کی ایک بے نظیر مثال سمجھی جاتی ہے۔ یہ دستاویز جو مؤرخینِ اسلام نے مفصلاً محفوظ رکھی ہوئی ہے وسعت خیال اور آزادئ عقاید کا حیرت انگیز نمونہ ہے۔ اس کے ذریعہ آنحضرتؐ نے عیسائیوں کو ایسے حقوق و فواید عطا فرمائے جو انہی عیسائی حکومتوں کے ماتحت بھی حاصل نہ تھے اور اعلان کیا گیا کہ اگر کوئی مسلمان ان احکام کی خلاف ورزی کریگا اور قرآن کی اور خدائے تعالےٰ کے احکام کی خلاف ورزی کرنے والا اور اسلام کی تذلیل کرنے والا متصوّر ہوگا۔ آپ نے اپنی ذات پر اور اپنے متّبعین پر تمام عیسائیوں، ان کے گرجاؤں اور پادریوں کی اقامت گاہوں کی حفاظت کی ذمہ داری عائد کی اور یہ کہ ان پر کسی قسم کا ناجائز دباؤ نہ ڈالا جائے گا، کوئی بشپ اپنے علاقہ سے نہ نکالا جائے گا۔ کوئی عیسائی اپنے مذہب کو چھوڑنے پر مجبور نہ کیا جائے گا۔ کوئی راہب اپنی خانقاہ سے نکالا نہ جائے گا۔ کسی زائر کو اپنے سفر سے نہ روکا جائے گا۔ کوئی گرجا مسلمانوں کے لئے مساجد یا گھر بنانے کو مسمار نہ کیا جائے گا۔ عیسائی عورتیں جو مسلمانوں کے نکاح میں ہیں اپنے مذہب پر قائم رہنے کے لئے ہر طرح آزاد ہوں گی اور ان پر کسی قسم کا دباؤ نہ ڈالا جائے گا۔ اگر عیسائیوں کو گرجاؤں یا خانقاہوں کی مرمّت کی ضرورت ہوگی یا کسی اور مذہبی کام کے لئے امداد کی ضرورت ہوگی تو مسلمان اُن کی ہر طرح امداد کریں گے۔ اس امداد کو اُن کے مذہب میں حصّہ لینے سے تعبیر نہ کیا جائے گا، بلکہ یہ ایک حاجت مند کی حاجت روائی اور خدائے تعالےٰ

اور اس کے رسول کے احکام کی تعمیل متصور ہوگی۔ اگر مسلمان کسی بیرونی عیسائی طاقت سے برسرِ پیکار ہوں گے تو مسلمانوں کی حدود میں رہنے والے کسی عیسائی کے ساتھ اس کی قومیت کے خیال سے حقارت آمیز برتاؤ نہ کیا جائے گا۔ کوئی مسلمان جو کسی عیسائی سے ایسا برتاؤ کرے گا رسول اللہ کا نافرمان متصور ہوگا"۔

انسان ایسی ہستی کے متعلق ہمیشہ عظمت و بزرگی کے خیالات وابستہ کرلیتا ہے۔ جو باوجود بدی کا بدلہ بدی سے دینے کی طاقت رکھنے کے نہ صرف بدی کا بدلہ نیکی سے دینے کی تلقین کرے بلکہ عملی طور پر حکومت کے سردار اور رعایا کی جان و آزادی کے محافظ ہونے کی حیثیت سے عدل و انصاف پر پوری طرح کاربند ہوتے تھے اور مجرم افراد کو سختی سے سزا دیتے تھے۔ آپ ایک پیغمبر اور ایک ہادی کی حیثیت میں اپنے بدترین دشمنوں سے بھی رحم و عفو کا برتاؤ کرتے تھے۔ آپ کی ہستی میں عدل و رحم جیسی دو عظیم الشان صفات یک جا موجود تھیں۔

قبیلہ حنیفہ کا ایک سردار ثمامہ بن آثال ایک مہم کے دوران میں مسلمانوں کے ہاتھوں قید ہوگیا۔ وہ مدینہ میں لایا گیا جہاں آپ کے کریمانہ برتاؤ سے متاثر ہوکر وہ ایک دشمن کی بجائے آپ کا جاں نثار پیرو بن گیا۔ اپنے وطن میں واپس جاکر اس نے مکہ میں یمامہ کے سامان کی درآمد بند کردی جس سے مکہ والے سخت دِق ہوئے۔ انہوں نے بہت سر پٹکا لیکن حنفیوں کے دل نہ پسیجے۔ آخر انہوں نے آنحضرتؐ سے مداخلت کی استدعا کی۔ آپ کو اُن کی حالت پر رحم آگیا اور ثمامہ سے سفارش کرکے یہ مشکل رفع کرادی۔

آپ کی رحم دلی کے بیشمار واقعات بیان کئے جاسکتے ہیں لیکن ہم صرف دو پر اکتفا کریں گے۔ آپ کی ایک صاحبزادی جن سے آپ کو بہت محبت تھی۔ صلح حدیبیہ

کے بعد مکہ سے نکل رہی تھیں۔ آپ حاملہ بھی تھیں جس وقت آپ اُونٹ پر سوار ہو رہی تھیں ہبار نامی ایک قریش نے نہایت بے رحمی سے اپنی اُلٹی برچھی ان کے اس زور سے ماری کہ آپ گر پڑیں اور فوراً وفات پا گئیں۔ فتح مکہ کے بعد مجرم پر فتوائے قتل عائد کیا گیا۔ کچھ مدت روپوش رہنے کے بعد خود بخود آنحضرتؐ کے پاس چلا آیا۔ اور اپنے آپ کو غمزدہ باپ کے رحم پر چھوڑ دیا۔ خطا واقعی بڑی تھی اور جرم سنگین تھا لیکن صدمہ ایک ذاتی صدمہ تھا اور مجرم سچے دل سے اپنے کردار پر منفعل نظر آتا تھا۔ آپ نے اُسے غیر مشروط طور پر بری کر دیا۔ وُہ یہودن جس نے خیبر میں آپ کی جان لینے کا قصد کیا تھا اور عکرمہ بن ابوجہل جو آنحضرتؐ کا بدترین ذاتی دشمن تھا دونوں معاف کر دیئے گئے۔

عیسائی بدویوں کا ایک قبیلہ (بنی کلب) جو دومۃ الجندل کے قریب رہتا تھا۔ لُوٹ مار کرتا ہُوا حدودِ مدینہ تک آ پہنچا۔ انہیں دعوتِ اسلام دینے اور بدکرداریوں سے منع کرنے کے لئے ایک مہم بھیجی گئی۔ اس مُہم کے سردار کو ہدایات دیتے ہوئے آپ نے یہ قابلِ یادگار الفاظ ارشاد فرمائے "کسی حالت میں بھی دھوکا یا فریب نہ کرنا۔ اور نہ بچوں کو قتل کرنا"[۱]

ایسی تمام مہموں کے سرداروں کو جو غارت گر قبائل کی سرکوبی کے لئے بھیجی جاتیں آپ تاکیدی احکام دیتے کہ کمزوروں کو ہرگز نہ ستایا جائے۔ جب بازنطینیوں کے خلاف فوج روانہ ہوئی تو آپ نے انہیں مخاطب ہو کر فرمایا "اپنے نقصانات کے انتقام میں بے ضرر باشندوں

---

[۱] رسولِ عربیؐ کی ان ہدایات کا اور خلیفہ اوّل حضرت ابوبکرؓ کی ہدایات کا جو انہوں نے یزید بن ابوسفیان کو بازنطینیوں کے خلاف بھیجتے ہوئے ارشاد فرمائیں، پیغمبر اسرائیل سے مقابلہ کرو۔

"خدا ربّ الافواج فرماتا ہے۔ اب جاؤ اور عمالق پر حملہ کرو۔ ان کی ہر چیز کو تباہ کر دو۔ ان کے مردوں اور عورتوں چھوکروں اور شیر خوار بچوں، بیلوں اور بھیڑوں، اونٹوں اور گدھوں سب کو قتل کر دو"

"تم بوڑھوں، جوانوں، چھوکریوں اور ننھے بچوں اور عورتوں کو یک لخت مار ڈالو"

اور عورتوں سے تعرض نہ کرنا۔ بچوں اور بیماروں کو تکلیف نہ دینا۔ جو لوگ تمہارے مقابلے پر نہ آئیں ان کے گھروں کو مسمار نہ کرنا، ان کے سامانِ خوراک، ثمردار درختوں اور کھجور کے پیڑوں کو برباد نہ کرنا۔" حضرت ابوبکر رضؓ نے اپنے آقا کے تتبع میں سردارِ فوج سے اس طرح خطاب کیا:" اے یزید! اپنی فوج پر بے جا دباؤ نہ ڈالنا، نہ انہیں تکلیف دینا، بلکہ ہر موقع میں ان سے مشورہ لینا۔ ہر معاملہ میں نیکی اور انصاف کو مدِ نظر رکھنا کیونکہ جو لوگ اس کے خلاف کرتے ہیں وہ کبھی فلاح نہیں پاتے۔ اور جب تم دشمن سے ملو، تو مردوں کی طرح مقابلہ کرنا اور پیٹھ نہ پھیر لینا اور اگر خدا تمہیں فتحیاب کرے، تو بچوں بوڑھوں اور عورتوں کو قتل نہ کرنا۔ کھجور کے درختوں اور کھیتوں کو تباہ نہ کرنا۔ کوئی پھلدار درخت نہ کاٹنا، اور نہ گائے بیلوں کو ذبح کرنا۔ مگر اس قدر جن کی تمہیں خوراک کے لئے ضرورت ہو۔ اگر تم کوئی عہد و پیمان کرو تو اس پر سختی سے قائم رہنا۔ تمہیں راستے میں کچھ ایسے مذہبی لوگ ملیں گے جو اپنی خانقاہوں میں گوشہ نشینی کی زندگی بسر کرتے ہیں اور اس طریقے پر خدا کی عبادت کرتے ہیں، ان سے تعرض نہ کرنا۔ نہ انہیں قتل کرنا اور نہ ان کی خانقاہوں کو تباہ کرنا۔"

اسی سال ماہ شعبان نومبر، دسمبر ۶۲۷ء میں ایک مہم بنی مصطلق کے خلاف بھیجی گئی۔ اب تک مسلمانوں کے ساتھ ان کے دوستانہ تعلقات تھے لیکن اب حارث بن ابو ضرار کے بہکانے پر انہوں نے اتحاد توڑ دیا اور سوادِ مدینہ پر ڈاکے ڈالنے شروع کر دیئے۔ یہ مہم کامیاب ہوئی اور بہت سے آدمی قید ہوئے جن میں حارث کی بیٹی جویریہ بھی تھی۔

مہاجرین کو اپنے دین کے لئے اور اس ذاتِ قدسی کے لئے جس نے ان کے

دلوں میں اتحاد، محبت اور اخوت کی رُوح پھُونک دی تھی، اپنا وطن چھوڑے ہوئے اُن
چھ سال ہو گئے تھے، عرب کے دُور دراز علاقوں کے لوگ جوق جوق اس محیر العقول انسان
کو دیکھنے آتے جس نے یہ عجیب و غریب انقلاب پیدا کر دیا تھا اپنی روزمرہ زندگی کے
متعلق اس سے مشورہ لیتے۔ اس طرح جس طرح حضرت اسمٰعیل سے بنی اسرائیل
مشورے لیتے تھے۔

لیکن ان غریب الوطنوں کے دل ابھی تک اپنے وطن کے لئے ترستے تھے۔ وہ
اپنے گھروں سے نکالے گئے اور غیر شہر میں انہیں پناہ ملی۔ انہیں کعبہ کے قرب سے محروم
کر دیا گیا، جو ان کے اجتماعاتِ مذہبی کا مرکز تھا۔ چھ سال سے انہیں اس متبرک مقام
کا حج نصیب نہ ہوا تھا جو ایک ایسا رواج تھا کہ اُس کے گرد زمانہ کی درخشاں روایات
نے عظمت و بزرگی کا ایک نُورانی ہالہ پیدا کر دیا تھا۔ خود آنحضرتؐ کو اپنے وطن کے
دیکھنے کی اتنی ہی تمنّا تھی۔ کعبہ کی عبادت گاہ تمام عرب قوم کی ملکیت تھی۔ قریش صرف
اس کے محافظ تھے، اور اُنہیں اس بات کا حق نہ تھا کہ اگر دشمن بھی اپنے مذہبی فرائض
کی انجام دہی کے لئے آئے تو اُسے روک سکیں۔

حج کا زمانہ قریب آ گیا تو آنحضرتؐ نے مکّہ جانے کا ارادہ ظاہر کیا۔ فوراً ایک ہزار
آوازوں نے لبیک کہا۔ تیاریاں جلد جلد کی گئیں اور آپ سات سَو مہاجرین و انصار
کی ایک غیر مسلح جمعیت کے ساتھ روانہ ہو پڑے۔ قریش کی دُشمنی ابھی تک ٹھنڈی نہ
ہوئی تھی۔ وہ مسلمانوں کا راستہ روکنے کے لئے ایک عظیم الشان فوج لے کر مکّہ سے چند میل
باہر آ کر کھڑے ہو گئے۔ لیکن جلد ہی پیچھے ہٹ کر شہر کے تمام راستے بند کر دیئے۔ اُنہوں نے
حلف اُٹھائے کہ آنحضرتؐ کو اور آپ کے متبعین کو کعبہ میں داخل نہ ہونے دیں گے اور

مسلمانوں کے سفیر سے سخت بدسلوکی کی جو کعبہ میں داخلہ کے لئے اجازت لینے گیا تھا
مکیوں کے ایک دستہ فوج نے مسلمانوں کے قافلہ کو گھیر لیا اور اعلان کردیا کہ جو مسلمان
نکلے گا اُسے قتل کردیا جائے گا۔ اُنہوں نے آنحضرتؐ پر پتھر اور تیر بھی برسائے[1]۔ یہ دیکھ
کر کہ مکہ والے کسی طرح نہیں مانتے آپ نے جھگڑے کو ختم کرنے کے لئے ان کی تمام شرائط
کو ماننے پر رضامندی ظاہر کی۔ بہت ردّوکد کے بعد ایک معاہدہ عمل میں آیا جس کی رُو
سے لڑائیاں دس سال کے لئے ملتوی کردی گئیں۔ اور یہ قرار پایا کہ اگر قریش کا کوئی
آدمی اپنے آقا یا سردار کی اجازت کے بغیر مسلمانوں کے پاس چلا جائے تو وہ کفار کے سپرد
کردیا جائے گا لیکن اگر کوئی مسلمان مکہ والوں کے پاس آجائے تو واپس نہ کیا جائے گا
اگر کوئی قبیلہ مسلمانوں سے یا کفار سے اتحاد کرنا چاہے تو کوئی مزاحمت نہ کی جائے گی
مسلمان اس سال یہیں سے واپس چلے جائیں اور آئندہ سال انہیں حج کرنے کی
اجازت ہوگی لیکن وہ صرف تین دن تک مکہ میں ٹھہر سکیں گے۔ ان کی تلواریں نیام میں
ہوں اور نیام جلبان (تھیلا) میں۔

یہ شرائط بظاہر مسلمانوں کے خلاف تھیں۔ اس لئے آپ کے بعض جوشیلے متبعین کو
جن کے دلوں میں قریش کے ظلم وستم کی خلش ابھی باقی تھی ناگوار گزریں۔ اس معاہدہ کی
تیسری شرط کی رُو سے مسلمان کفار کے ایسے آدمی واپس کرنے پر مجبور تھے جو اپنے سرپرست یا
سردار کی اجازت کے بغیر چلے گئے تھے۔ چنانچہ آنحضرتؐ کو اپنے بہت سے متبعین کفار کے
حوالے کردینے پڑے۔ لیکن اس شرط میں چونکہ عورتوں کا ذکر نہ تھا۔ اس لئے کفار کا

[1] ان میں سے چند لوگ جب قید ہوکر آنحضرتؐ کے سامنے پیش ہوئے تو آپ نے اُنہیں معاف کر
دیا اور چھوڑ دیا۔ "ابن ہشام"

یہ مطالبہ مسترد کر دیا گیا۔ آنحضرتؐ نے مدینہ واپس آنے پر اس عالمگیر خواہش کی تکمیل چاہی کہ آپ کا مذہب اقوامِ عالم کو اپنے آغوشش میں لے لے اور ہمسایہ تاجداروں کو دعوتِ اسلام دینے کے لئے سفراء بھیجے۔ دو سفارتیں خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں جن میں ایک ہرقل شاہِ یونان کے پاس اور دوسری خسرو پرویز شہنشاہِ ایران کی طرف تھا۔ شہنشاہ اس شخص کی جرأت پر حیران ہو گیا جسے مکّہ والوں نے نکال دیا تھا۔ اور اب وہ خسروِ اعظم کو ایک ہمسر کی طرح خطاب کر رہا تھا۔ اُس نے خط کو پُرزے پُرزے کر دیا اور سفیر کو حقارت کے ساتھ دربار سے نکلوا دیا۔ جب اس سلوک کی خبر آنحضرتؐ تک پہنچی تو آپ نے آہستگی سے فرمایا۔ "اسی طرح کسریٰ کی سلطنت پارہ پارہ ہو جائے گی۔" اس پیشینگوئی کی صداقت صفحاتِ تاریخ پر خاک و خون سے لکھی ہوئی نظر آتی ہے۔ ہرقل نے سفیر کے ساتھ نہایت عزت و تواضع کا سلوک کیا اور بڑی سوچ بچار اور معقولیت سے رسُول اللہ کے پیغام کا جواب دیا۔ شام سے روانہ ہونے سے قبل اُس نے اُس شخص سے ذرا اچھی طرح متعارف ہونا چاہا جس نے اُسے یہ مقدس دعوت بھیجی تھی۔ اس خیال سے اُس نے چند عربی تاجروں کو طلب کیا جو غزہ میں ایک کاروان کے ساتھ آئے ہوئے تھے۔ انہیں میں ابوسفیان بھی تھا جو ابھی تک آنحضرتؐ کا سخت ترین دشمن تھا۔ شہنشاہ نے اس سے آنحضرتؐ کے متعلق سوالات کئے جو روایات میں بجنسہٖ محفوظ ہیں۔ ہرقل نے پوچھا "محمدؐ (صلعم) کیا عہد لیتے ہیں۔ ابوسفیان نے جواب دیا "وہ ہمیں بُت پرستی سے روکتا ہے اور ایک خدا کی پرستش کرنے کو کہتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ خیرات دو اور سچائی اور پاکیزگی سیکھو اور بدکاری سے باز رہو اور مکروہات سے بچو۔" جب اس سے پوچھا گیا۔ کہ اس کے پیرو بڑھ رہے ہیں یا کم ہو رہے ہیں تو اُس نے جواب دیا "اس کے پیرو گروہ

در گروہ بڑھ رہے ہیں اور جو ایک دفعہ اس کا پیرو ہو جاتا ہے پھر کسی طرح واپس نہیں لایا جا سکتا۔ ایک اور سفیر غسانی شہزادہ کی طرف بھیجا گیا جو دمشق کے قریب بصریٰ میں رہتا تھا۔ بجائے اس کے کہ سفیر کے ساتھ اس عزت و احترام کا برتاؤ کیا جاتا جو سفرا کے شایانِ شان ہے۔ اُسے اس قبیلے کے ایک عیسائی سردار نے نہایت بیدردی سے قتل کر دیا۔ اس بین الاقوامی قانون کی خلاف ورزی سے متاثر ہو کر مسلمانوں کو وہ جنگ کرنی پڑی جس نے آخرکار تمام عیسائیت کو مسلمانوں کے خلاف صف آرا کر دیا۔ لیکن اس کے متعلق ہم آئندہ لکھیں گے۔

ساتواں باب

اشاعتِ اسلام

فَمَا تَطَاوَلُ آمَالَ الْمَدِیْحِ اِلٰی   مَا فِیْہِ مِنْ کَرَمِ الْاَخْلَاقِ وَالشِّیَمِ

سنہ ۷ھ - ۱۲ اپریل ۶۲۸ء سے یکم مئی ۶۲۹ء تک

یہودی باوجود اس قدر ہزیمتیں اُٹھانے کے دشمنی سے باز نہ آئے، وہ ابھی تک مسلمانوں کی تباہی کے منصوبے سوچ رہے تھے۔ مدینہ سے تین چار روز کے سفر پر جانب شمال مشرق اُن کے کئی مضبوط قلعے تھے۔ جن میں سب سے بڑا القموص ایک نہایت دشوار گزار پہاڑی پر واقع تھا۔ یہ تمام قلعے مجموعی طور پر خیبر کہلاتے تھے۔ بنی نضیر اور بنی قینقاع کی کئی شاخیں ان قلعوں میں پناہ گزین تھیں۔ خیبر کے یہودیوں کی دشمنی مسلمانوں کے لئے پہلے ہی کچھ کم نہ تھی۔ اب ان کے دوسرے بھائیوں کی آمد نے ان کے جذبات کو اور مشتعل کر دیا۔ یہودیانِ خیبر کے بنی غطفان اور دوسرے بدوی قبائل کے ساتھ دیرینہ تعلقات تھے۔ اُنہوں نے مِل کر مسلمانوں کے خلاف پھر ایک متحدہ قوت قائم کر لی۔ اس خطرے کے دفعیہ کے لئے فوری تدابیر کی ضرورت تھی۔ چنانچہ محرّم کے ابتدائی ایام میں ایک مہم جو چودہ سو اشخاص پر مشتمل تھی، خیبر بھیجی گئی۔ یہودیوں نے اپنے اتحادیوں سے امداد کی درخواست کی۔ بنی فزارہ فوراً امداد کو پہنچے۔ لیکن مسلمانوں سے ڈر کر فوراً بھاگ گئے اور اس طرح یہود لڑائی کے نقصانات برداشت کرنے کے لئے اکیلے رہ گئے۔ مسلمانوں نے شرائط پیش کیں لیکن اُنہوں نے

منظور نہ کیں۔ یہودیوں کے سخت مقابلہ کے باوجود قلعہ پر قلعہ فتح ہوتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ اس ہیبت ناک قلعہ القموص کی باری آ گئی۔ ایک سخت مقابلہ کے بعد یہ بھی مسلمانوں کے ہاتھ آ گیا۔ اس قلعہ کی فتح نے باقیوں کے دل توڑ دیئے اور انہیں اپنی کمزوری کا احساس ہو گیا۔ وہ معافی کے خواستگار ہوئے جو نہایت دریا دلی سے عطا کی گئی۔ ان کی زمینیں اور دوسری غیر منقولہ جائدادیں اس شرط پر واپس دے دی گئیں کہ آئندہ ان کی روش اچھی رہے گی۔ انہیں فرائض مذہبی کی ادائیگی میں آزادی دی گئی۔ اور چونکہ وہ عام محصولات سے مستثنیٰ تھے اس لئے آنحضرتؐ نے تحفظ کے تبادلہ میں ان کی پیداوار کا چوتھائی حصّہ جمہوریت کی طرف سے بطورِ محصول عائد کر دیا۔ ایسی منقولہ جائداد جو مسلمانوں نے محاصروں کے دوران میں قلعوں سے حاصل کی تھی مسلمانوں کی فوج میں تقسیم کر دی گئی۔ پیادے کے مقابلے میں سوار کو تین حصّے دیئے گئے[1]۔

۷ھ کے آخر میں آپ نے معاہدۂ قریش سے فائدہ اُٹھا کر زیارتِ حرم اقدس کا ارادہ کیا۔ اس سفر کو تاریخ میں عمرۃ القضا کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ مارچ ۶۲۹ء کا زمانہ تھا۔ کہ آپ دو ہزار مسلمانوں کی معیت میں ادائے عمرہ کے لئے مکّہ کو روانہ ہوئے۔ قریش ان زائرین سے ملنا یا بات تک کرنا نہ چاہتے تھے۔ تین دن کے لئے اُنہوں نے مکّہ خالی کر دیا، اور گرد و نواح کی پہاڑیوں پر چڑھ کر مسلمانوں کو دیکھتے رہے۔ میور لکھتا ہے۔ یہ واقعی عجیب نظارہ تھا جو اس وقت وادیٔ مکہ میں نظر آ رہا تھا — ایک بے نظیر نظارہ جس کی

---

[1] مدفون خزانوں کے لئے یہود کو ایذا دینے کی کہانی سراسر جھوٹ ہے۔ اس حملے کے دَوران میں کئی مرتبہ یہودیوں نے آنحضرتؐ کے قتل کی کوشش کی۔ ورودِ خیبر کے وقت ایک یہودن نے آپؐ کے کھانے میں زہر ملا دیا جس سے ایک صحابی وفات پا گئے۔ آنحضرتؐ کے جسم پر بھی زہر اثر کر گیا۔ جس سے آپؐ نے آئندہ بہت تکلیف اُٹھائی، اور غالباً اسی زہر کے اثر سے آپؐ نے وفات پائی۔ باوجود اس سنگین جرم کے آپؐ نے اس عورت کو معاف کر دیا+

مثال تاریخ عالم میں کہیں نظر نہیں آتی۔ یہ قدیم شہر تین دن کے لئے اعلےٰ وادنیٰ ہر طبقے کی آبادی سے خالی ہو جاتا ہے۔ ہر گھر ویران نظر آتا ہے۔ اور اہل شہر کی غیر موجودگی میں بے خانماں مسلمان جو کئی سال سے اپنے وطن سے محروم کر دیئے گئے تھے اپنے ساتھیوں کے ہمراہ گروہ در گروہ آتے ہیں، اس تھوڑے سے وقفے کے لئے اپنے بچپن کے پیارے گھروں کو دیکھتے ہیں اور فرائض مذہبی ادا کرتے ہیں۔ ادھر مکہ والے گرد و نواح کی بلندیوں پر پہاڑوں اور گھاٹیوں میں پناہ لیتے ہیں اور بوقبیس کی چوٹیوں پر چڑھ کر نو واردوں کی حرکات کا مطالعہ کرتے ہیں۔ جبکہ وُہ اپنے اصُول کے مطابق کعبہ کا طواف کرتے ہیں۔ یا صفا اور مروہ پر تیزی سے گزرتے ہیں۔ ان کی بے قرار نظریں کسی بچھڑے ہُوئے دوست یا رشتہ دار کے دیدار کی متمنی ہیں۔ اسلام کی ابتدائی زندگی میں ایسے کئی دردناک نظارے دیکھنے میں آئے ہیں۔ مسلمانوں نے شرائط کی سختی سے پابندی کی اور تیسرے روز مکہ کو خالی کر دیا۔ مسلمانوں کی دیانت و امانت دیکھ کر اور ان کے ضبط و تحمل اور ایفائے عہد نے دشمنانِ اسلام پر نہایت گہرا اثر کیا۔ قریش کے کئی معتوز افراد جو آنحضرت کی دشمنی اور مخالفت میں سب سے بڑھ کر تھے آپؐ کی رحمدلی اور شرافت کو دیکھ کر مسلمان ہو گئے۔

یونانیوں کا مسلمان سفیر کو قتل کر دینا ایک ایسا جُرم تھا جسے آسانی اور بغیر سزا دیئے نظر انداز نہ کیا جا سکتا تھا۔ غسانی شہزادے سے تاوان کا مطالبہ کرنے کے لئے تین ہزار آدمیوں کی ایک مہم بھیجی گئی۔ حاکمِ غسان بجائے اس کے کہ اپنی کاروائی پر اظہارِ ندامت کرتا مقابلے پر تیار ہو گیا۔ اور اس طرح اس جھگڑے کو حکومت کا جھگڑا بنا لیا۔ اپنی فوجیں جمع کر کے اُنہوں نے موتہ کے قریب جو شام میں بلقا کے متصل ایک گاؤں ہے۔ مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ مسلمانوں نے بازنطینیوں کے متحدہ حملے کو پسپا تو کر دیا لیکن

دشمن کی فوجیں تعداد میں بہت زیادہ تھیں اس لئے مسلمان مدینہ واپس آگئے۔ اِس لڑائی میں مسلمانوں کی فوج کے سردار زید بن حارث اور آنحضرتؐ کے عمزاد بھائی جعفر اور کئی دوسرے بلند مرتبہ صحابی شہید ہوئے۔

یہی زمانہ تھا جب قریش نے بنی بکر کے ساتھ مل کر معاہدۂ حدیبیہ کو پس پشت ڈالتے ہوئے مسلمانوں کے حلیف بنی خزاعہ پر حملہ کر دیا۔ ان کے بہت سے آدمی مارے گئے اور باقی منتشر ہو گئے۔ اور بنی خزاعہ آنحضرتؐ کے پاس فریاد لے کر آئے اور انصاف کا مطالبہ کیا۔ بے انصافی اور ظلم بہت مدت تک مکہ میں راج کر چکا تھا۔ اب مکہ والوں نے خود معاہدے کو توڑا تھا اور مکہ کے کئی سرداروں نے بنی خزاعہ کی خوں ریزی میں حصہ لیا تھا۔ آنحضرتؐ نے فوراً دس ہزار جاں نثاروں کے ساتھ مکہ کی طرف کوچ کر دیا۔ عکرمہ اور صفوان کی سرکردگی میں ان کے قبائل نے ہلکی سی مزاحمت کی جس میں چند مسلمان شہید ہوئے۔ ان کے علاوہ کسی کو جرأتِ مقابلہ نہ ہوئی۔

اس طرح آنحضرتؐ ایک فاتح کی حیثیت سے مکہ میں داخل ہوئے۔ ظلم و جور کا ستایا ہوا غریب الوطن اپنی رسالت کو رحم و کرم سے ثابت کرنے آیا، وہ شہر جس نے اسے اور اس کے متبعین کو اذیتیں دے دے کر ایک اجنبی شہر میں پناہ لینے پر مجبور کر دیا تھا، وہ شہر جو اس کی اور اس کے جاں نثار دوستوں کی جان لینے کی قسمیں کھا چکا تھا، اب اس کے قدموں میں پڑا تھا۔ اس کے بے رحم اور ظالم دشمن جنہوں نے پُر امن مردوں اور عورتوں پر ظلم ڈھا کر انسانیت کے نام پر ایک بدنما دھبہ لگا دیا تھا۔ اب کُلّیتہً اس کے قبضے میں تھے۔ لیکن فتح و عروج کی اس گھڑی میں تمام تکلیفیں بھلا دی گئیں۔ اور تمام مظالم معاف کر دیئے گئے۔ اور مکہ کی تمام آبادی کو عام معافی دے دی گئی۔ آپ کے

بدترین دشمنوں کے شہر میں واجب القتل لوگوں کی فہرست میں صرف چار نام تھے جن پر انصاف موت کا فتوٰی صادر کر چکا تھا۔ فوج نے بھی آپ کی مثال پر عمل کیا اور نہایت امن و سلامتی سے شہر میں داخل ہو گئی۔ کوئی گھر نہ لوٹا گیا اور کسی عورت کی بے حرمتی نہ کی گئی۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ کسی فوج کی فاتحانہ حیثیت سے ایسے پُر امن طریق پر کسی شہر میں داخل ہونے کی مثال تاریخِ عالم میں کہیں نظر نہیں آتی۔ لیکن عربوں کے اصنام بے دردی سے توڑ دیئے گئے۔ کفار غم و تاسف میں ارد گرد کھڑے اپنے معبودوں کے زوال کو دیکھ رہے تھے۔ اُن پر حقیقت واضح ہو گئی، جب اُنہوں نے اس پُرانی آواز کو جسے وہ تمسخر اور مزاح میں اُڑایا کرتے تھے، بتوں کو گراتے ہوئے اور یہ کہتے ہوئے سُنا "حق آگیا اور باطل نیست و نابود ہوا۔ بے شک باطل نیست و نابود ہونے والا تھا۔" ان کے خدا کس قدر بے بس تھے۔

اس کام سے فراغت پانے کے بعد آپ نے ایک خطبہ دیا جس میں قرآن کریم کے الفاظ میں آپ نے اخوت و مساوات کو انسانیت کا ایک فطرتی حق بتایا اور پھر فرمایا "اے آلِ قریش! تمہارا کیا خیال ہے؟ مجھے تمہارے ساتھ کیسا سلوک کرنا چاہیئے۔" اُنہوں نے جواب دیا "ہمارے نیک بھائی اور شریف برادر زادے! ہم تم سے عفو اور رحم کی اُمید رکھتے ہیں۔" طبری لکھتا ہے کہ اِن الفاظ پر آپ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور فرمایا "میں تم سے وُہی بات کہوں گا جو یوسفؑ نے اپنے بھائیوں سے کہی تھی۔ آج میں تمہیں ملامت نہ کروں گا، خدا تمہیں معاف کرے گا، وہ بڑا مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔"

اب ایک ایسا نظارہ پیشِ نظر ہُوا جس کی مثال تاریخِ عالم میں نظر نہیں آتی، گروہ در گروہ لوگ آتے اور اسلام قبول کرتے چلے جاتے۔ آپ کوہِ صفا پر بیٹھے ہوئے ان سے

وُہی عہد لیتے جو آپ نے مدینہ والوں سے لئے تھے "وُہ خدا کے سوائے کسی کی عبادت نہ کریں گے۔ وُہ چوری اور بدکاری نہ کریں گے۔ اولاد کو قتل نہ کریں گے۔ وُہ جھُوٹ نہ بولیں گے اور عورتوں کو بُرا نہ کہیں گے"۔

اور اِس طرح قرآن کریم کی وہ پیشگوئی پُوری ہوئی کہ "جب خدا کی مدد آ پہنچی اور فتح ہو گئی اور تُو نے لوگوں کو جوق جوق دینِ خدا میں داخل ہوتے دیکھا۔ بس خدا کی حمد و ثنا اور تقدیس کر، اس سے معافی مانگ، بیشک وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے"۔ آنحضرتؐ کے مقاصد پُورے ہو گئے۔ آپ نے اپنے مقتدر اصحاب کو تمام اطرافِ صحرا میں قبائل کو دعوتِ اسلام دینے کے لئے روانہ فرمایا اور انہیں تاکیدی احکام دیئے کہ صلح و امن کے ساتھ تبلیغ کریں۔ انہیں صرف اپنے تحفظ کے لئے ہتھیار اُٹھانے کی اجازت تھی۔ صرف ایک موقع پر ان سے سختی کی گئی۔ خالد بن ولیدؓ کے آدمیوں نے اپنے نومسلم جنگجو سردار کی ماتحتی میں بنی جزیمہ کے چند آدمی مار ڈالے۔ آپ نے غلطی سے انہیں دشمن سپاہ سمجھ لیا۔ لیکن دُوسرے مسلمانوں نے دخل انداز ہو کر مزید خونریزی روک دی۔ اِس بے جا خونریزی سے آنحضرتؐ کو سخت صدمہ ہُوا۔ آپؐ نے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اُٹھا کر فرمایا "اے خدا! میں خالد کے افعال سے بری ہوں"۔ آپؐ نے فوراً حضرت علیؓ کو روانہ فرمایا کہ بنی جزیمہ کے نقصان کی ہر ممکن تلافی کر دیں۔ یہ کام حضرت علی کی طبیعت سے پُوری مناسبت رکھتا تھا۔ اور آپ نے اسے بہت خوبی سے انجام دیا۔ آپ نے مقتولین کی صحیح تعداد معلوم کی اور ان کے رتبہ کا لحاظ کرتے ہوئے اُن کے ورثاء کو پوری طرح دیت ادا کی۔ جب ورثاء مطمئن ہو گئے۔ تو بقایا رقم جو ان کے پاس بچ رہی تھی، مقتولین کے دوسرے رشتہ داروں اور افرادِ خاندان میں تقسیم کر دی گئی۔ مؤرخ لکھتا ہے کہ اس جُود و

سخاوت نے ان کے دل مسرت سے بھر دیئے۔ لوگوں کی دعائیں لیتے ہوئے آپ واپس تشریف لائے۔ آنحضرتؐ نے آپ کا بہت بہت شکریہ ادا کیا اور بیحد تعریف کی۔

ہوازن، ثقیف اور دوسرے بدوی قبائل جن کی چراگاہیں مکّہ کی سرحد پر واقع تھیں اور جن میں سے بعض کے قصبات طائف کی طرح محفوظ و مضبوط تھے، بغیر مقابلے کے مسلمانوں کے مطیع نہ ہونا چاہتے تھے۔ اُنہوں نے اس ارادہ سے ایک اتحاد قائم کیا، کہ مسلمانوں کو تیاری کا موقع ہی نہ دیا جائے اور اچانک حملہ کر دیا جائے۔ لیکن آنحضرتؐ کی مستعدی نے ان کے تمام منصوبے خاک میں ملا دیئے۔

حنین کے قریب جو مکّہ سے ۱۰ میل جانبِ شمال واقع ہے ایک خونریز لڑائی کے بعد کفّار کو سخت نقصان کے بعد لپسپا ہونا پڑا۔ ان کی فوج دو گروہوں میں منقسم ہو گئی۔ ایک گروہ جو زیادہ تر بنی ثقیف پر مشتمل تھا طائف میں پناہ گزین ہوا جس کی حدود سے آٹھ نو سال قبل آنحضرتؐ کو نہایت اہانت سے نکال دیا گیا تھا۔ باقیماندہ وادی اوطاس کی طرف بھاگ گئے۔ ان کا تعاقب کیا گیا اور ہوازن کا تمام قبیلہ اپنے جملہ دنیوی مال و دولت کے ساتھ مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ طائف محصور کر لیا گیا۔ لیکن آنحضرتؐ نے جلد ہی محاصرہ اُٹھا دیا۔ آپ کو خوب معلوم تھا کہ حالات خود انہیں مجبور کر دیں گے، اور طائف والے بغیر خونریزی کے ہتھیار ڈال دیں گے۔ واپسی پر آپؐ نے ہوازن کے ایک وفد کو منتظر پایا جو اپنے قیدیوں کی واپسی کی التجا لے کر آئے تھے۔ آپ عربوں کی حساس طبیعتوں سے واقف تھے خصوصاً اپنے حقوق کے معاملے میں۔ اس لئے آپؐ نے جواب دیا کہ مَیں اپنی قوم کو ثمراتِ فتح سے محروم ہونے پر مجبور نہیں کر سکتا۔ اور اگر تم قیدیوں کو واپس لینا چاہتے ہو، تو کم سے کم مالِ غنیمت سے تمہیں دست بردار ہو جانا چاہئے۔ وُہ اس

بات پر رضامند ہو گئے۔ چنانچہ دوسرے روز جب آپ متبعین کے ساتھ نمازِ ظہر ادا فرما رہے تھے۔ وہ پھر آئے اور اپنی گزارشات کو دُہرایا۔ "ہم رسُول اللہ سے التجا کرتے ہیں کہ وہ مسلمانوں سے ہماری شفاعت کریں۔ اور مسلمانوں سے استدعا کرتے ہیں کہ رسُول اللہ سے ہماری سفارش کریں کہ وہ ہماری عورتیں اور بچے ہمیں دے دیں۔" آپ نے فرمایا "مَیں اپنا حصّہ اور آلِ عبدالمطلب کا حصّہ تمہیں واپس دیتا ہوں" آپ کے متبعین نے فوراً آپ کی اتباع کی اور ایک لحظے میں چھ ہزار قیدی رہا کر دیئے گئے۔ اس فیاضی نے بنی ثقیف کے دِل فتح کر لئے اور کئی مسلمان ہو گئے۔ بنی ہوازن کے مالِ غنیمت کی تقسیم کے بعد جو واقعہ پیش آیا، اس سے جہاں اس بات کا اظہار ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ کو مدینہ والوں کے دلوں پر کس قدر قبضہ حاصل تھا اور آپ نے ان میں کس قدر جاں نثاری کے جذبات پیدا کر دیئے تھے، وہاں یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ آپ اپنی زندگی میں مال و دولت کی شکل میں انہیں کچھ بھی پیش نہ کر سکے۔ مالِ غنیمت کی تقسیم میں زیادہ حصّہ مکّہ کے نومسلموں کو دیا گیا۔ بعض انصار نے اسے جانبداری پر محمول کیا۔ جب یہ باتیں آپ کے کانوں تک پہنچیں تو آپ نے سب کو جمع ہونے کا حکم دیا۔ اور ان سے ان الفاظ میں خطاب کیا:۔

"اے انصار! جو باتیں تم آپس میں کر رہے ہو مجھ تک بھی پہنچی ہیں۔ جب میں تمہارے پاس آیا تو تم جہالت کی تاریکیوں میں بھٹک رہے تھے اور خدا نے تمہیں صراطِ مستقیم دکھایا، تم دُکھوں میں ڈوبے ہوئے تھے اُس نے تمہیں آرام دیا۔ تم ایک دُوسرے کے دشمن تھے، اس نے تمہیں اخوّت و محبت کے رشتہ میں پرو دیا۔ مجھے بتاؤ کیا یہ صحیح نہیں؟" اُنہوں نے جواب دیا۔ "واقعی ایسا ہی ہے۔ جیسا آپ فرماتے ہیں۔ خدا اور اُس کے رسُول نے ہم پر شفقت و مہربانی کی۔" آپ نے فرمایا "نہیں، خدا کی قسم ہے اگر تم اس طرح

جواب دیتے تو صحیح تر تھا۔ اور میں اس کی صداقت پر گواہ ہوتا۔ کہ "لوگوں نے تجھے دغاباز اور جھوٹا کہہ کر راندہ دیا۔ تو ہمارے پاس آیا اور ہم تم پر ایمان لائے۔ تو ہمارے پاس بے یارومددگار آیا۔ ہم نے تیری مدد کی۔ تو غریب اور بے خانماں تھا۔ ہم نے تجھے پناہ دی۔ تجھے کوئی تسلّی و تشفّی دینے والا نہ تھا، ہم نے تیری ہمت بندھائی اور دلجوئی کی۔ اے انصار! دُنیا کے فانی مال کے لئے اپنے دلوں کو پریشان کیوں کرتے ہو؟ کیا تم اس سے مطمئن نہیں ہو کہ دوسرے اونٹ اور بکریوں کے ریوڑ لے لیں اور تم مجھے لے کر اپنے گھروں کو جاؤ۔ اس خدا کی قسم ہے جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ میں تمہیں کبھی نہ چھوڑوں گا۔ اگر تمام دُنیا ایک طرف ہو جائے اور انصار دوسری طرف تو یقیناً میں انصار کی طرف جاؤں گا۔ خدا اُن پر مہربان ہو۔ اُن کی اولاد اور اُن کی اولاد کی اولاد پر رحمتیں نازل فرمائے۔" مؤرّخ لکھتا ہے کہ ان الفاظ پر انصار اس قدر روئے کہ ان کی داڑھیاں آنسوؤں سے تر ہو گئیں۔ اور سب یک زبان ہو کر پکار اُٹھے "یارسول اللہ ہم اپنے حِصّے پر مطمئن ہیں۔" مجمع مطمئن ہو کر منتشر ہو گیا۔

اس کے بعد جلد ہی آنحضرت مراجعت فرمائے مدینہ ہوئے۔

آٹھواں باب

عام الوفود

فاق النّبییٖنَ فِی خَلقٍ وَفِی خُلُقٍ   وَلَم یُدانوہُ فِی علمٍ ولا کرمٖ
دَعْ مَا ادّعَتْہُ النَّصاریٰ فی نبیھم   وَاحکُم مَا شِئتَ مدحًا فیہ واحتکمٖ

(قصیدۃ البردہ)

اِنَّ الرَّسُولَ لَنُورٌ یُستَضاءُ بِہٖ
وَصارِمٌ مِنْ سُیُوفِ اللّٰہِ مَسلُولُ   (کعب ابن زہیرؓ)

سنہ ۹ھ
۲۰ اپریل سنہ ۶۳۱ء سے
۹ اپریل سنہ ۶۳۲ء تک

نویں صدی ہجری ان وفود کی وجہ سے مشہور ہے جو گروہ در گروہ اطاعت کے لئے حاضر ہوئے۔ وحشیانہ بہادری، خوں ریزی اور کفر کی ایک گھٹا جو اس مُلک پر چھا رہی تھی ہمیشہ کے لئے کُھل گئی اور زمانۂ جاہلیت ختم ہو گیا۔

فتح مکّہ نے عرب کی صنم پرستی کا فیصلہ کر دیا۔ جو لوگ ابھی تک اپنی خوبصورت مہتابی دیویوں، لات، منات اور عزّیٰ کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے، اس قلعہ کے سقوط نے ان کی آنکھیں کھول دیں۔ مکہ والوں کی اطاعت سے دوسرے صحرائی قبائل بہت متاثر ہوئے اور ان قبائل کی طرف سے جو مسلمانوں کے سخت ترین دشمن تھے، اتحاد و اطاعت کے لئے وفود آنے شروع ہوئے۔ آنحضرتؐ کے متعدد صحابی اور مدینہ کے ذی رتبہ باشندے

ان سفرا کو اپنے گھروں میں اُتارتے اور عرب کی مشہور مہمان نوازی کے مطابق ان کی خُوب خاطر و مدارات کرتے۔ واپسی پر انہیں زادِ راہ کے طور پر معقول رقمیں دی جاتیں۔ اور ہر شخص کے رُتبے اور حیثیت کے مطابق تحائف بھی دیئے جاتے۔ اکثر قبائل کے حقوق کے متعلّق تحریری دستاویز عطا کی جاتی اور ایک معلّم دیا جاتا تاکہ وہ اسلام کی تعلیمات انہیں سکھائے اور صنم پرستی کا شائبہ تک مٹ جائے۔

اس اثنا میں جبکہ یہ عظیم الشان مُدبّر قبائل عرب کو جدید احکامِ ربّانی کے رشتے میں پرو رہا تھا بیرونی خطرات سے بھی خبردار تھا۔

بازنطینی اب فتح عرب کے وہی خواب دیکھنے لگے جنہوں نے ایک دفعہ اس سے قبل سلطنتِ روما کے بانی کو فوجیں بھیجنے پر آمادہ کیا تھا[۱]۔ ہرقل ایرانیوں کو شکست دے کر پھولا ہُوا تھا۔ اس کی سیاست بین نگاہ عرب کے عجیب و غریب انقلابات کو تاک رہی تھی اور شاید اسے عربوں کی مٹھی بھر فوج کے ہاتھوں اپنے نائبین کی شکست بھول گئی تھی۔ اثنائے قیامِ شام میں اس نے اپنے جاگیرداروں کو عرب پر حملہ آور ہونے کے لئے ایک عظیم الشان فوج جمع کرنے کی ہدایات دے دی تھیں۔ ان کی جنگی تیاریوں کی خبر مدینہ میں بھی پہنچی اور مسلمانوں میں اضطراب پیدا ہوگیا۔ اگر یہ خبر صحیح ہوتی تو دولتِ عامۂ اسلامیہ کے لئے ایک زبردست خطرہ درپیش تھا۔ اس حملے کی روک تھام کے لئے تمام اطراف کے رضاکار بُلائے گئے۔ بدقسمتی سے نجد اور حجاز کو ایک سخت خشک سالی نے تباہ کر رکھا تھا۔ کھجوروں کی فصل تباہ ہوگئی تھی۔ باربرداری کے بے شمار جانور ہلاک ہوگئے تھے، اور دیہات کے لوگ ایسے حال میں اپنے گھروں سے دُور کسی لڑائی پر جانے کے لئے آمادہ نہ تھے۔ بعض بزدلوں نے بازنطینیوں کی طاقت سے مرعوب ہو کر

[۱] اگسٹس کے عہد میں ایلیس گیلس کا حملہ

اور گرمی کی زیادتی اور سفر کی صعوبات کو پیش نظر رکھ کر موسم کی خرابی کا بہانہ پیش کر دیا کئی لوگوں نے اس خدمت سے معذوری کا اظہار کیا اور آنحضرتؐ نے ایسے لوگوں کو جو کمزوری کی وجہ سے ہتھیار نہ اُٹھا سکتے تھے یا جو بہت غریب تھے اور اپنے گھر نہ چھوڑ سکتے تھے یا جو اکیلے اپنے گھرانوں کا سہارا تھے اس خدمت سے معذور رکھا۔ بے دلوں کی بیدلی کو منافقین کی سازشوں نے بڑھانے میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا۔ لیکن آنحضرتؐ کے خاص اور مخلص اصحاب کی مثال نے بزدلوں میں بھی جوش پیدا کر دیا۔ اور منحرفین کو سخت ندامت ہوئی۔ جلد ہی یہ جوش تمام لوگوں میں پھیل گیا۔ مصارفِ جنگ کے لئے چندہ شروع ہُوا۔ حضرتِ ابوبکرؓ نے اپنا تمام مال پیش کر دیا۔ حضرت عثمانؓ نے بہت سے رضاکاروں کے تمام مصارف اپنے ذمہ لئے۔ اور دوسرے ذی رُتبہ اصحاب نے بھی ایسی ہی فراخدلی سے کام لیا۔ عورتوں نے اپنے جواہرات اور زیور حکومت کی ضروریات کے لئے پیش کر دیئے۔ اس طرح ایک عظیم الشان فوج تیار ہو گئی۔ اور آنحضرتؐ کی معیّت میں سرحد کی طرف کُوچ ہو گیا۔

آنحضرتؐ کی غیر موجودگی میں شہر حضرت علی کے سپرد ہُوا۔ عبداللہ بن ابی اور دوسرے منافقین "ثنیتہ الوداع" تک فوج کے ساتھ گئے۔ لیکن وہاں سے پھر مدینہ کو واپس آ گئے۔ یہاں اُنہوں نے مشہور کر دیا کہ آنحضرتؐ اپنے چچا کے بیٹے (علیؓ) کو خطرات سے محفوظ رکھنے کے لئے یہاں چھوڑ گئے ہیں۔ یہ نفرت انگیز افواہ حضرت علیؓ کے کانوں تک بھی پہنچی۔ آپ کو سخت غیرت آئی۔ اپنے ہتھیار سنبھالے اور فوج کے پیچھے روانہ ہو گئے۔ آپ نے جلد ہی فوج کو جا لیا۔ اور آنحضرتؐ سے سب معاملہ کہہ سنایا۔ آپ نے فرمایا "یہ ایک جھوٹا الزام ہے۔ مَیں نے تمہیں بطور خلیفہ وہاں رکھا ہے۔ اپنی جگہ پر واپس جاؤ اور میرے اور اپنے

لوگوں پر خلیفہ کے فرائض انجام دو۔ علیؓ! کیا تم اس بات سے مطمئن نہیں کہ تمہارا درجہ میرے نزدیک وہی ہے جو حضرت موسیٰؑ کے نزدیک ہارونؑ کا تھا۔[1] چنانچہ حضرت علیؓ واپس تشریف لائے

افواجِ اسلام نے گرمی اور پیاس کی وجہ سے سخت اذیتیں اٹھائیں۔ اس تکلیف دِہ سفر کے بعد فوجیں تبوک میں ٹھہر گئیں جو مدینہ اور دمشق کے درمیان واقع ہے۔ یہاں وُہ یہ سُن کر حیران رہ گئے۔ اور شاید مطمئن بھی ہوئے کہ یونانی شہنشاہ کے حملے کی خبر بالکل بے بنیاد تھی۔ فی الحال دولتِ عامہ مدینہ کو کسی قسم کا خطرہ نہ تھا۔ چنانچہ مسلمانوں کو واپسی کا حکم ملا۔ تبوک میں جہاں پانی اور چارے کی فراوانی تھی، مسلمانوں نے بیس دن تک آرام کیا۔ اور پھر ماہ رمضان میں مدینہ کو واپس آ گئے۔

مدینہ کی واپسی پر سنگدل طائف والوں کا وفد آیا۔ وُہی لوگ جنہوں نے آنحضرتؐ کو نہایت بے رحمی سے اپنے علاقہ سے نکال دیا تھا۔ طائفی سردار عروہ جو صلح حدیبیہ کے بعد قریش کے ایلچی کی حیثیت سے مکّہ آیا تھا۔ آنحضرتؐ کی گفتگو اور اخلاقِ کریمانہ سے اِس قدر متاثر ہُوا کہ اپنے فرائض انجام دینے کے تھوڑا ہی عرصہ بعد حاضرِ خدمت ہُوا اور مسلمان ہو گیا۔ آنحضرتؐ کے ان تمام خطرات سے آگاہ کرنے کے باوجود جس میں وُہ اپنے متعصب شہریوں میں جا کر اپنے آپ کو ڈال رہا تھا وُہ نہ رُکا۔ وُہ چاہتا تھا کہ اپنی تبدیلیِ مذہب لوگوں پر ظاہر کرے۔ اور انہیں بھی برکاتِ اسلام سے بہرہ اندوز ہونے کا موقع دے۔ وُہ رات کے وقت طائف پہنچا۔ اس نے اسی وقت لوگوں کو جمع کر کے اپنے اسلام لانے کا اعلان کیا اور دعوتِ اسلام دی۔ دوسری صبح اس نے پھر ایسا ہی کیا۔ لیکن اُس کے الفاظ

---

[1] کذبوا ولکنی خلفتک لما ترکت ورائی فارجع فاخلفنی فی اھلی واھلک افلا ترضی یا علی ان تکون منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ (ابن ہشام)

نے کافر پرستوں اور عزیٰ کے پرستاروں کو غصے سے دیوانہ بنا دیا۔ چنانچہ اُنہوں نے عروہ کو سنگسار کر دیا۔ اس نے دم توڑتے ہوئے کہ میں نے اپنا خون اپنے آقا اور اس کے متبعین کی نذر کیا۔ اور شہادت کا بلند مرتبہ ملنے پر خدائے تعالےٰ کا شکر ادا کیا۔ آخر میں اپنے دوستوں کو وصیت کی کہ مجھے شہدائے حنین کے پاس دفن کیا جائے۔ عروہ کے آخری الفاظ اس کے ہم عصروں پر گہرا اثر کر گئے۔ شہید کا خون قاتلوں کے دلوں میں ایمان بن کر ظاہر ہوا۔ رحم نے ان کے دل نرم کر دیئے اور شاید وہ صحرائی قبائل کی عداوتوں سے بھی تنگ آ چکے تھے۔ اس کا نتیجہ وہ وفد تھا جس کا ذکر ہم اُوپر کر رہے ہیں جو عفوِ تقصیرات کے لئے اور دائرہ اسلام میں داخل ہونے کے لئے آئے تھے۔ اُنہوں نے استدعا کی کہ ہمارے بُتوں کو تھوڑی سی مہلت بھی دی جائے۔ پہلے اُنہوں نے دو سال کی مہلت مانگی۔ پھر ایک سال کی پھر چھ ماہ کی۔ لیکن سب کوشش بے کار ثابت ہوئی۔ اُنہوں نے سمجھا کہ ایک ماہ کی مہلت تو ضرور دی جائے گی۔ اس لئے اس درخواست پر اڑے رہے۔ لیکن آنحضرتؐ کا فیصلہ اٹل تھا۔ اسلام اور بُت پرستی اجتماع ضدین تھا۔ پھر اُنہوں نے کہا کہ ہمیں نماز سے معذور رکھا جائے آپؐ نے فرمایا "عبادت کے بغیر مذہب بے معنی ہے" آخر اُنہوں نے آزردہ دلی سے سب کچھ قبول کر لیا۔ بہر حال اُنہیں اس قدر رعایت ضرور دی گئی کہ بتوں کو اپنے ہاتھوں سے نہ توڑیں۔ یہ کام ابو سفیان بن حرب اور مغیرہ کے سپرد ہوا جنہوں نے طائف کی عورتوں کے نالہ و بُکا کے درمیان اس کام کو انجام دیا۔

اب قبیلہ طےؔ نے سر اُٹھایا جنہیں پروہت بھڑکا رہے تھے۔ ایک چھوٹی سی مہم حضرت علیؓ کی سرکردگی میں ان کے بُتوں کو توڑنے کے لئے بھیجی گئی۔ عدی اس قبیلہ کا سردار تھا جو اس حاتم کا بیٹا تھا جس کی فیاضی اور خیرات کے کارنامے مشرقی دُنیا کے "بچے بچے" کی زبان

پر رواں ہیں ۔ عدی حضرت علی رضہ کے پہنچتے ہی شام کی طرف بھاگ نکلا ۔ لیکن اس کی بہن اور قبیلہ کے کئی دوسرے معزز سردار مسلمانوں کے ہاتھ قید ہوئے ۔ انہیں نہایت عزّت سے مدینہ لایا گیا ۔ آنحضرتؐ نے قیمتی تحائف دے کر سب کو آزاد کر دیا ۔ عدی کی بہن شام میں گئی ۔ اور اپنے بھائی کو آنحضرتؐ کے خُلق و مروّت کا تمام قصّہ کہہ سُنایا ۔ عدی کا دل احساساتِ ممنونیت سے پُر ہو گیا ۔ وہ جلدی سے مدینہ آیا اور اسلام قبول کر لیا ۔ پھر اپنے قبیلے میں جا کر انہیں بھی صنم پرستی ترک کرنے پر آمادہ کیا اور اس طرح بنی طے جو کفر میں جکڑے ہوئے تھے اسلام کے سچّے پیرو بن گئے[۱] +

تبدیلیٔ مذہب کی دُوسری قابلِ ذکر مثال کعب ابن زہیر کی ہے ۔ یہ شخص بنی مزاعنہ کا ایک مشہور شاعر تھا ، اور مسلمانوں کے خلاف دشمن قبائل کو اُبھارنے میں خاص حصّہ لیتا رہا تھا اس کے مسلمان بھائی نے اُسے اسلام لانے پر آمادہ کر لیا ۔ چنانچہ کعب خفیہ طور پر مدینہ میں

---

[۱] ابنِ ہشام صفحہ ۹۴۸-۹۴۹ ابن الاثیر جلد دوم صفحہ ۲۱۵ طبری جلد دوم صفحہ ۱۷۱-۱۷۴

عدی ربیع الثانی ۹ھ میں اسلام لایا ۔ اس حساب سے اس واقعے کو غزوہ تبوک سے پہلے بیان ہونا چاہیے تھا لیکن میں نے اس معاملے میں مؤرخینِ عرب کی ترتیب کا تتبع کیا ہے ۔ جب حاتم کی بیٹی آنحضرتؐ کے سامنے پیش کی گئی تو اس نے آپ سے اس طرح خطاب کیا " یا رسول اللہ ! میرا باپ وفات پا چکا ہے ۔ میرا اکیلا رشتہ دار میرا بھائی ، مسلمانوں کو دیکھتے ہی پہاڑوں کی طرف بھاگ گیا ۔ میں اپنا فدیہ ادا نہیں کر سکتی ۔ اس لئے اپنی آزادی کے لئے آپ کے رحم و کرم سے درخواست کرتی ہوں ۔ میرا باپ ایک ذی مرتبہ انسان تھا ، اپنے قبیلہ کا سردار تھا ۔ قیدیوں کو آزاد کرایا کرتا تھا ۔ عورتوں کی حمایت کرتا تھا ۔ غریبوں کو کھانا کھلاتا تھا ، مصیبت زدوں کی امداد کرتا تھا ، اُس نے کبھی کسی کا سوال رد نہ کیا تھا ۔ میں حاتم کی بیٹی ہوں ۔" آپ نے فرمایا " تیرے باپ میں مومنوں جیسی صفات تھیں ۔ اگر مجھے ایسے شخص کے لئے دعائے مغفرت کرنے کی اجازت ہوتی جس نے اپنی زندگی بت پرستی میں گزاری ہو تو میں حاتم کی رُوح کے لئے ضرور دُعا کرتا ۔" پھر مسلمانوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا ۔ " حاتم کی بیٹی آزاد کی جاتی ہے ۔ اس کا باپ نیک اور رحمدل تھا ۔ اور خدائے تعالےٰ رحمدلوں سے محبت رکھتا ہے اور انہیں اجرِ عظیم عطا فرماتا ہے ۔"

سعدی نے بوستاں میں اس واقعہ کو نہایت خوبصورتی سے ادا کیا ہے ۔

داخل ہُوا، اور آنحضرتؐ کے پاس مسجد میں چلا گیا۔ اس نے دیکھا کہ ایک شخص کے گرد چند عرب بیٹھے ہوئے نہایت تعظیم و تکریم سے اس کے ارشادات سُن رہے ہیں۔ اس نے رسُول اللہ کو پہچان لیا اور صفوں کو چیرتا ہُوا آپ کے قریب پہنچ کر بولا "یا رسُول اللہ! اگر میں کعب کو مسلمانی کی حالت میں آپ کے سامنے پیش کردوں تو کیا آپ اسے معاف فرما دیں گے" آپ نے فرمایا "ہاں!" اس نے کہا "تو سنیئے۔ مَیں ہی کعب ابن زہیر ہوں!" مجمع میں سے کئی آدمی اُسے قتل کرنے کے لئے لپکے۔ رسُول اللہ نے فرمایا "ٹھہرو! مَیں اسے امان دے چکا ہوں"۔ کعب نے قصیدہ پڑھنے کی اجازت چاہی۔ جو ہمیشہ سے عربی شاعری کا شاہکار سمجھا گیا ہے۔ جب وُہ ان الفاظ پر پہنچا "رسول ایک مشعل ہے جس نے تمام دُنیا کو منوّر کر دیا۔ وُہ خدا کی تلوار ہے جو کفر کو فنا کرتی چلی جا رہی ہے" تو آپ نے اپنا خرقہ اُتار کر اُسے دے دیا جو بعد میں اُس کے خاندان نے معاویہ کے ہاتھ چالیس ہزار درہم میں فروخت کیا۔ اور بنی اُمیہ اور بنی عباس سے ہوتا ہُوا اب سلطنتِ عثمانیہ کے پاس محفوظ ہے۔ اور اشد ضرورت کے وقت عَلَمِ قومی کی حیثیّت سے بلند کیا جاتا ہے۔

اس وقت تک کفّار کو کعبہ میں داخل ہونے اور اپنی کافرانہ عبادات کی بجا آوری کی ممانعت نہ ہوئی تھی۔ اب فیصلہ کر لیا گیا کہ اِس ناپاک صُورتِ حالات کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کر دیا جائے تاکہ غیر راسخ دل پھر بُت پرستی کی طرف مائل نہ ہو جائیں۔ چنانچہ اُس سال کے آخری مہینے یعنی ذوالحج میں قربانی کے دن (یوم النحر) ایک اجتماعِ عظیم کے روبرو حضرت علی رضؓ نے اعلان کیا "کوئی بُت پرست اس سال کے بعد کعبہ کا حج نہ کرے گا، کسی شخص کو برہنہ طوافِ کعبہ کرنے کی اجازت نہ ہو گی۔ جن قبائل کے رسول اللہ سے معاہدات ہو چکے ہیں، ان پر ہم مدتِ معاہدہ ختم ہونے تک قائم رہیں گے۔ دوسروں کو چار ماہ

کی مہلت دی جاتی ہے تاکہ اس مدت میں وہ اپنے علاقوں میں واپس چلے جائیں۔ اس کے بعد رسول اللہؐ پر کسی قسم کی ذمہ داری نہ ہوگی۔ سوائے اُن کے جن کے ساتھ معاہدات ہو چکے ہیں۔ یہ اعلان رسول اللہؐ کی دور اندیشی کا ایک نمایاں ظہور تھا۔ اگر مسلمانوں کو حج میں کفار سے ملنے دیا جاتا اور ان کی فحش اور ذلیل باتوں کو جاری رہنے دیا جاتا تو وہ تمام ثمرات جو آنحضرتؐ نے اس محنت و جانکاہی سے حاصل کئے تھے تھوڑی ہی مدت میں ضائع ہو جاتے۔ تاریخ نے عربوں جیسی ہی ایک اور قوم کو دیکھا ہے جو بت پرستوں میں آکر آباد ہوئی۔ اس کے پیشواؤں نے یہوداہ کی پرستش کو محفوظ رکھنے کے لئے بعل کے پرستاروں کو گروہ در گروہ قتل کیا۔ لیکن اس کے باوجود بالکل ناکام رہے۔ اسرائیلی نہ صرف تاثرات بد کے ماحول میں دب گئے۔ بلکہ جن مکفرانہ عقاید کی وجہ سے وہ اُن سے نفرت کرتے تھے انہیں کے عمل میں خود اُن سے بازی لے گئے۔ آپ کو معلوم تھا کہ کفار کے ساتھ کسی قسم کے تعلقات کا قیام آپ کے کام کو تباہ کر دے گا۔ آپ نے جو وسائل اختیار کئے بظاہر تو وہ درشت نظر آتے ہیں لیکن انہیں میں رحمت و شفقت پوشیدہ تھی۔ یہ عظیم الشان گروہ حضرت علیؓ کا اعلان سن کر اپنے گھروں کو واپس چلا گیا۔ لیکن آئندہ سال ابھی حج کے دن نہ آئے تھے کہ دنیا نے انہیں مسلمان دیکھ لیا۔

نواں باب

تکمیلِ رسالت

إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللّٰهِ أَفْوَاجًا فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا

سنہ ۱۰ھ
۹ اپریل ۶۳۱ء سے
۲۹ مارچ ۶۳۲ء تک

اس سال کے دوران میں مختلف قبائل اور سرداروں کی طرف سے اطاعت کی تصدیق کے لئے سفراء آئے۔ جن مبلغوں کو آپ دوسرے صوبوں میں بھیجتے انہیں مندرجہ ذیل ہدایات دی جاتیں:-

"لوگوں کے ساتھ نرمی سے پیش آنا اور سختی کا اظہار نہ کرنا۔ انہیں بشارتیں دینا اور مغموم نہ کر دینا۔ اور تمہیں اہلِ کتاب ملیں گے جو تم سے کلیدِ آسمانی کے متعلق دریافت کریں گے۔ تم جواب دینا کہ آسمان کی کلید ایمان اور اعمالِ صالحہ ہیں۔"

مقاصدِ رسالت، کی تکمیل ہو گئی۔ وحشت و بربریت میں ڈوبی ہوئی ایک قوم میں سے نبی مبعوث ہوا جس نے "انہیں خدائے تعالےٰ کے نشانات دکھائے۔ انہیں پاک کیا اور قرآن اور حکمت کی تعلیم دی۔" اس نے انہیں ذلت، خونخواری اور توہمات میں غرق پایا۔ اور انہیں سچائی اور محبت میں خدائے واحد کا جلوہ دکھایا۔ اس نے انہیں افتراق اور ایک دوسرے کے خلاف ایک لا متناہی جنگ میں مصروف پایا اور انہیں اخوت اور رحم کے رشتے سے وابستہ کر دیا۔ زمانۂ دراز سے جزیرہ نمائے عرب جہالت کی

تاریکیوں میں لپٹا ہُوا تھا۔ رُوحانیت بالکل نابُود ہو چکی تھی۔ یہودیت اور عیسائیت عربوں کے دِل پر دیرپا اثر ڈالنے میں ناکام رہی تھیں۔ لوگ توہمات، ظلم اور زبوں کاری میں ڈوبے ہوئے تھے۔ محرمات سے نکاح اور اولاد کے قتل جیسے خبیثانہ رواج جاری تھے۔ سب سے بڑا بیٹا دوسری جائداد کے ساتھ اپنے باپ کی بیواؤں کو بھی ورثہ میں پاتا تھا۔ اپنی کمسن لڑکیوں کو زندہ دفن کرنے کا حیوانیت سے بدتر فعل قبائل قریش اور کندہ میں سب سے زیادہ رائج تھا، اور ہندو راجپوتوں کی طرح اسے قابلِ فخر سمجھا جاتا تھا۔ حیات بعد الممات اور نیکی اور بدی کی جزا و سزا کو کوئی نہ جانتا تھا۔ یہ تھی عرب کی حالت بعثتِ رسُولؐ سے چند سال پیشتر اور اس کے چند ہی سال بعد کیسا عظیم الشان انقلاب آیا۔ یقیناً آسمانی فرشتہ اس مُلک پر پھر گیا، اور ان لوگوں کے دلوں میں جواب تک افعالِ قبیحہ میں پھنسے ہوئے تھے امن و محبت کی رُوح پھونک گیا۔ ایک اخلاقی ویرانے کی بجائے جہاں خدا اور انسان کے تمام قوانین کو نہایت بے دردی سے پامال کیا جاتا تھا، ایک خوشنما باغ میں نظر آنے لگا۔ کفر اپنے لاانتہا مکروہات کے ساتھ یکسر فنا کر دیا گیا۔ تاریخِ عالم میں اسلام ہی ایک ایسے عظیم الشان مذہب کی مثال پیش کرتا ہے، جس نے ایسے لوگوں میں اشاعت پائی اور لوگوں پر حکومت کی جن پر ابھی آفتابِ تہذیب کی پہلی کرن بھی نہ چمکی تھی، اور اس کے باوجود وُہ بُت پرستی کے استیصال میں عملی طور پر کامیاب ہُوا۔ یہ نادر الظہور واقعہ اسلام کی فتح الفتوح سمجھا جائے گا۔ اور اُس کے بانی کی حکمت و دانش کا نمایاں ترین ثبوت شمار ہوگا۔ یہود اور عیسائیوں نے عربوں کو کفر و الحاد، وحشت اور اخلاقی مذلت سے نکالنے کے لئے مدتوں سر پٹکا۔ لیکن جب تک اُنھوں نے "خدا کے رسُول" سے "رُوح کو بیدار کرنے والے نغمے" نہ سُن لئے وُہ اس خدائے حق کی ہستی کے

قائل نہ ہوئے جو کائنات کو اپنی قوت اور محبت سے محیط کئے ہوئے ہے - اس کے بعد ہم دیکھتے ہیں کہ ان کا مطمح نظر دُنیا نہیں ۔ بلکہ قبر سے پرے، بلند تر اور پاک تر، خیرات، نیکی، انصاف اور عالمگیر محبت ہے - اب ان کا خدا وہ امروز و فردا کا خدا نہیں ، جو لکڑی اور پتھر سے تراشا جاتا تھا بلکہ ایک زبردست رحمٰن و رحیم اور خالق ارض و سما خدا ہے - اس نئی بیداری کے مصدر و منبع آنحضرت تھے - آپ وہ سیمیں چشمہ تھے جس سے ابدی اُمیدوں کی نہریں بہہ نکلیں - اب اُن کی زندگی کا صرف یہ مقصد تھا کہ خدا کی عبادت زہد و تقویٰ سے کریں اور زندگی کے ہر شعبے میں اس کے احکام کو بجالائیں - وہ حقائق و عقاید اور وہ نصائح و احکام جو آنحضرت وقتاً فوقتاً گذشتہ بیس سال سے اپنے متبعین کو تلقین کرتے رہے تھے ، ان کے دلوں پر ثبت ہو گئے اور اُن کی زندگی کا دستور العمل بن گئے - قانون اور اخلاق متحد ہو گئے " اس زمانہ سے لے کر جب قدیم عیسائیت نے خوابیدہ دُنیا کو یک دم بیدار کر دیا تھا اور کفر کے خلاف ایک موت آفریں جنگ شروع کر دی تھی - چشم عالم نے ایسی رُوحانی بیداری کا نظارہ نہ کیا تھا۔

آپ کا کام تکمیل کو پہنچ گیا - یہ حقیقت کہ آپ کا تمام کام آپ کی زندگی ہی میں مکمل ہو گیا تمام زمانوں اور تمام ملکوں کے پیغمبروں، حکیموں اور فلاسفروں پر آپ کے نمایاں تفوق کا اظہار کرتی ہے - حضرات عیسیٰؑ، موسیٰؑ، زرتشت، ساکیامنی اور افلاطون ہر ایک کے خدا کی بادشاہت کے متعلق جمہوریت کے متعلق اور اُن عقائد کے متعلق اپنے اپنے تصورات تھے جن کے ذریعہ اُنھوں نے انسان کو پستی سے نکال کر ایک جدید اخلاقی بلندی پر کھڑا کرنا چاہا تھا - لیکن وہ تمام اپنی اُمیدوں کے پُورا ہوئے بغیر اور اپنی درخشاں خوابوں کی تعبیر دیکھے بغیر دُنیا سے رخصت ہو گئے اور اپنے ہم جنسوں کی فلاح و بہبود کا کام اپنے

قوی متبعین یا تاجدار شاگردوں کے سپرد کر گئے[1]۔ یہ محمد الرسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہی کے لئے مقدر ہو چکا تھا کہ اپنا کام اور اپنے پیشروؤں کا کام تکمیل تک پہنچائیں۔ بنی نوع انسان کی اصلاح اور درستی کا کام صرف آپ کے لئے مقدر ہو چکا تھا۔ آپ کا کوئی تاجدار پیرو اپنی افواجِ قاہرہ کے زور سے آپ کی تعلیمات منوانے نہ آیا۔ کیا مسلمان یہ کہنے میں حق بجانب نہیں کہ تمام کام انسان نے نہیں بلکہ خود خدا نے انجام دیا۔

وہی غریب واعظ جسے ابھی اگلے دن اپنے ہی وطن میں جور و ستم سے کہیں پناہ نہ ملتی تھی اور جسے اس جگہ سے پتھر مار مار کر نکال دیا گیا تھا جہاں وہ خدا کا پیغام سنانے گیا تھا۔ نو سال کے مختصر سے زمانے میں اپنی قوم کو اخلاقی اور روحانی مذلتوں کی گہرائی سے نکال کر پاکیزگی اور صداقت کی بلندیوں پر لا کھڑا کرتا ہے۔

آپ کی زندگی صداقت اور ذوقِ یقین سے اپنے مفوضہ کام کی انجام دہی کی بہترین مثال ہے۔ آپ نے خوابیدہ لوگوں میں عمل کی روح پھونک دی۔ آپ نے متخاصم قبائل کو متحد کر کے ایک قوم بنا دیا، اور ابدی زندگی کی اُمیدیں پیدا کر دیں۔ آپ نے روشنی کی منتشر کرنوں کو جو ہمیشہ سے انسان کے دل پر منعکس ہوتی چلی آئی تھیں۔ ایک شیشہ میں مرکوز کر دیا : یہ تھا آپ کا کام۔ اور آپ نے اسے ایسے جوش اور سرگرمی سے انجام دیا کہ کوئی مصالحت قبول نہ کی۔ کسی رکاوٹ کو محسوس نہ کیا ایسی جوانمردانہ ہمت سے کام لیا جو کسی مزاحمت کو خاطر میں نہ لائی۔ خطرناک نتائج کی پروا نہ کرتے ہوئے آپ نے اپنے واحد کے حصول میں اپنی ذات تک کو بھلا دیا۔ وحدانیتِ الٰہی کا وہ بیج جو گلیلی کے ساحلوں پر دیا گیا تھا، گزشت و پوست کے بند

---

[1] اسرائیلیوں میں یوشع، بدھوں میں اشوک، زرتشتیوں میں داریس اور عیسائیوں میں قسطنطین۔

ہوئے خدا کی پرستش میں تبدیل ہو چکا تھا۔ اور خداوندِ ناصرہ کی پیروی کے دعویداروں میں ایک دیوی کی قدیم پرستش جاری ہو چکی تھی۔ حرا کا گوشہ نشین وُہ اُمّی فلسفی جو ایک ہٹیلے بُت پرستوں کی قوم میں پیدا ہُوا، اُن قوموں کے دلوں پر جنہوں نے ایک دفعہ اس کی آواز سنی، خدا کی وحدانیت اور انسان کی مساوات کا ایسا نقش بٹھا گیا۔ جو مٹائے نہیں مٹ سکتا۔ اس کی جمہوریت نواز گرج" نے پروہتوں اور حکمرانوں کے ظلم وستم کے خلاف عقلِ انسانی کو بیدار کر دیا۔ اُن متخاصم مذاہب اور ظالمانہ عقائد کے زمانے میں "جب انسان کی رُوح بعید الفہم عقائد کے بوجھ تلے دبی جا رہی تھی اور انسانی جسم خودغرضانہ فوائد کے لئے کچلے جا رہے تھے، اس نے ذات پات اور امتیازی فوائد کی تمام زنجیروں کو توڑ کر رکھ دیا۔ اس نے ان تمام عنکبوتی جالوں کو جو انسان اور خدا کے درمیان تانے گئے تھے ایک پھونک سے اُڑا دیا۔ اس نے خالق کے ساتھ مخلوق کے تعلّقات براہِ راست قائم کر دیئے اس نبی اُمّی نے جس کا پیغام اقوامِ عالم کے نام تھا۔ علم و دانش کی قدر و قیمت بتائی۔ اس نے بتایا کہ قلم کے ذریعہ انسان کے کارنامے محفوظ رکھے جاتے ہیں۔ قلم کے ذریعہ انسان کا موازنہ کیا جاتا ہے، قلم ہی خدائے تعالےٰ کی نظروں میں افعالِ انسانی کا آخری منصف ہے۔ آپ کا عقل اور دماغ کو کام میں لانے پر اصرار، آپ کا معجزات دکھانے سے انکار، خدائی حکومت کے متعلق آپ کا جمہوری تصوّر، آپ کے مذہبی خیالات کی عمومیّت، آپ کی سادہ شریعت، تمام باتیں آپ کو اپنے پیشروؤں سے ممتاز کر رہی ہیں۔ آپ کی تمام باتیں عصرِ جدید سے مطابقت رکھتی ہیں۔ آپ کی زندگی اور آپ کے کام اسرار و رموز میں لپٹے ہوئے نہیں اور نہ آپ کی ذات کے متعلق جھوٹے قصے لکھے گئے ہیں۔

جب عرب کے لوگ فوج در فوج اسلام کے قبول کرنے کو آئے تو آپ نے محسوس کیا

کہ آپ کا کام تکمیل کو پہنچ گیا ہے۔ اُس وقت آپ کو اپنا انجام قریب نظر آیا اور آپ نے آخری حج کا ارادہ کیا۔ ۲۵ ذی قعدہ (۲۳ فروری) ۶۳۲ء کے دن مسلمانوں کی ایک عظیم الشان جماعت کے ساتھ رسول اللہ مدینے سے رخصت ہوئے۔ مکّہ پہنچنے پر اور مناسکِ حج ادا کرنے سے قبل (۸۔ ذی الحج) آپ نے ایک خطبہ ارشاد فرمایا جو ابد الآباد تک مسلمانوں کے دلوں سے محو نہ ہوگا۔

"لوگو! میری بات سنو۔ معلوم نہیں کہ میں اور تم پھر کبھی اس جگہ اکٹھے ہوں گے یا نہیں۔ لوگو تمہاری جانیں اور تمہارے مال اور عزتیں ایک دوسرے پر اسی طرح ہی حرام ہیں جیسا کہ تم آج کے دن اس شہر کی، اور اس مہینے کی عزت کرتے ہو۔ تمہیں عنقریب خدا کے سامنے حاضر ہونا ہے اور وہ تم سے، تمہارے اعمال کی نسبت سوال فرمائے گا۔

"لوگو! تمہارے عورتوں پر کچھ حقوق ہیں اور عورتوں کے تم پر حقوق ہیں۔ عورتوں کے ساتھ مہربانی اور محبت سے پیش آؤ۔ کیونکہ خدا کے نام کی ذمہ داری سے تم نے ان کو بیوی بنایا اور خدا کے کلام سے تم نے اُن کا جسم اپنے لئے حلال بنایا ہے۔ اپنی امانتوں میں دیانتدار رہو اور گناہ سے بچے رہو۔ سُود حرام ہے، مقروض صرف اصل ادا کرے گا۔ پہلا سُود میں اپنے خاندان سے عباس بن عبد المطلب کا معاف کرتا ہوں زمانۂ جاہلیت کے تمام جھگڑے مٹائے جاتے ہیں۔ پہلا خون میں ربیعہ بن حارث بن عبد المطلب کا معاف کرتا ہوں۔

"اور اپنے غلاموں کی بابت خیال رکھو کہ تم اُنہیں وہی کھانا کھلاؤ جو خود کھاتے ہو وُہی لباس پہناؤ جو تم خود پہنتے ہو۔ اور اگر ان سے کوئی ایسا قصور سرزد ہو جو تم معاف

نہ کر سکو تو اُن کو جُدا کر دو کیونکہ وہ بھی اس خدا کے بندے ہیں اور ظلم کے لئے پیدا نہیں کئے گئے
لوگو! میری بات غور سے سُنو۔ جان رکھو کہ سب مسلمان ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ کوئی چیز جو ایک بھائی کی ملکیت ہے دُوسرا نہیں لے سکتا۔ جب تک وہ خود خوشی سے اُسے نہ دے۔ اپنے آپ کو بے انصافی سے بچائے رکھو۔

"جو لوگ موجود ہیں وہ اُن لوگوں کو جو موجود نہیں ہیں یہ الفاظ پہنچا دیں۔ ممکن ہے وہ لوگ جنہیں بتایا جائے اُن لوگوں سے زیادہ یاد رکھنے والے ہوں جنہوں نے اپنے کانوں سے سُنا ہے۔"

یہ خطبہ جس میں کوئی شاعرانہ نکتہ آفرینی نہ تھی، جو یقیناً اپنے اندر لاینحل عقدے نہ رکھتا تھا۔ عقلمندوں کے لئے عملی تعلیم کا سرمایہ دار ہے۔ انسان کی فطرتِ ادنیٰ کی ضرورتوں کو پُورا کرتا ہے اور اُنہیں اخلاقی رہنمائی کے لئے ایک قطعی اور مکمل لائحہ عمل پیش کرتا ہے۔

خطبہ ختم کرنے پر لوگوں کے ذوق و شوق کو دیکھ کر آپ بہت متاثر ہوئے۔ اور فرمایا "اے خدا! مَیں نے تیرا پیغام پہنچا دیا اور اپنا کام پُورا کر دیا۔" تمام لوگ بیک آواز پکار اُٹھے، "بیشک آپ نے اپنا کام پُورا کر دیا۔" آپ نے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھایا اور پھر لوگوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: "اے خدا! گواہ رہنا۔" ان الفاظ کے ساتھ آپ نے خطبہ ختم فرمایا جو روایات کے بموجب طوالت، فصاحت، اور جوش کی وجہ سے بے مثال تھا، اور مناسکِ حج ادا کرنے کے بعد آپ جلد ہی دوسرے مسلمانوں کے ساتھ مدینہ کو واپس آگئے۔

سنہ ۱۱ھ - ۲۹ مارچ سنہ ۶۳۲ء سے ۸ اپریل سنہ ۶۳۳ء تک

آپ کی زندگی کا آخری سال مدینہ میں گزرا۔ آپ نے مختلف

صوبجات اور مسلمان نو آبادیوں کو منظم کیا۔ اور اگرچہ شام اور عراق کے اکثر عرب ابھی تک عیسائی تھے لیکن تمام عرب اب اسلام کا پیرو ہو چکا تھا۔ مختلف صوبجات اور قبائل میں فرائض اسلام سکھانے، عدالت کرنے اور زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے حاکم بھیجے گئے۔ معاذ ابن جبل کو یمن بھیجتے وقت آپ نے ہدایت فرمائی کہ معاملات حکومت کے انصرام میں اگر قرآن سے حوالہ نہ ملے تو اپنی عقل پر بھروسہ کیا کرو۔ حضرت علی رضؓ کو یمن کی طرف بھیجتے ہوئے فرمایا "جب لوگ تیرے پاس انصاف کے لئے آئیں تو جب تک فریقین کی بات نہ سن لو فیصلہ نہ کرنا۔"

عثمان بن زید کے ماتحت ایک مہم بازنطینیوں کے خلاف بھیجنے کی تیاریاں کی گئیں۔ تاکہ ان سے سفیر کے قتل کے خوں بہا کا مطالبہ کیا جائے۔ فوجیں کوچ کرنے کے لئے شہر کے باہر تیار کھڑی تھیں کہ اس زہر کے اثرات آپ پر ظاہر ہوئے جو خیبر میں یہودن نے آپ کو دیا تھا۔ ظاہر ہوتا تھا کہ اب آپ زیادہ دن زندہ نہیں رہیں گے۔ آنے والے خطرات نے مہم کو رکوا دیا۔ اس خبر نے ملک کے دور دراز علاقوں میں بدنظمی پیدا کر دی۔ اوباشی و غارت گری کے لئے نبوت کے تین دعویدار کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے پیغمبری کا دعویٰ کیا اور اپنے قبائل پر اثر ڈالنے کے لئے ہر قسم کے فریب و دغا سے کام لینے لگے۔ ان میں سب سے زیادہ خطرناک ایہالہ بن کعب تھا جو الاسود کے نام سے مشہور ہے۔ وہ یمن کا سردار تھا اور علاوہ عقلمند اور امیر ہونے کے چالاک اور شعبدہ باز بھی تھا۔ اپنے سادہ لوح قبائل میں شعبدوں کو بطور معجزات پیش کر کے اس نے جلد ہی انہیں مطیع کر لیا۔ اور گردونواح کے کئی علاقوں کو فتح کر لیا۔ اس نے شہر کو قتل کر دیا جسے آنحضرتؐ نے اس کے مرحوم باپ بازان

کی جگہ صنعا کا گورنر مقرر کیا تھا۔ باذان خسروانِ ایران کے ماتحت یمن کا وائسرائے تھا۔ اور مسلمان ہونے پر آنحضرتؐ نے بھی اس کا عہدہ قائم رہنے دیا تھا۔ اس کی زندگی میں اس کا اثر و رسوخ نہ صرف اس کے ایرانی ہم عصروں پر تھا جو یمن میں آباد اور ابنا کہلاتے تھے بلکہ اپنے صوبے کے عربوں پر بھی تھا۔ دغاباز الاسود نے شہر کو قتل کر کے اس کی بیوی مرزبانہ سے جبراً شادی کر لی۔ ایک رات جب وہ شراب کے نشے میں مست پڑا ہوا تھا مرزبانہ کی مدد سے ابنا نے اُسے قتل کر دیا۔ دوسرے دونوں دعویداران نبوت طلیحہ بن خویلد اور ابو ثمامہ ہارون بن حبیب جسے عام طور پر مسیلمہ کہتے تھے، حضرت ابوبکرؓ کے مسندنشینِ خلافت ہونے سے پہلے کیفرِ کردار کو نہ پہنچے۔ مسیلمہ کو اس قدر جرأت ہوئی کہ آنحضرتؐ کو مندرجہ ذیل خط لکھا۔ "خدا کے رسول مسیلمہ کی طرف سے خدا کے رسول محمد صلے اللہ علیہ وسلم پر سلام ہو۔ میں تمہارا حصہ دار ہوں۔ حکومت ہم دونوں کو تقسیم کر لینی چاہئیے۔ نصف مملکت میری ہو اور نصف قریش کی۔ لیکن قریش ہر چیز کو دبا لیتے ہیں اور انصاف نہیں کرتے"۔ آپ نے جواب میں لکھا "خدا کے نام سے جو بڑا مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔ محمدؐ الرسول اللہ کی طرف سے مسیلمہ کذاب کی طرف۔ سلام ہو اُن پر جو راہِ مستقیم اختیار کرتے ہیں۔ زمین خدا کی ہے وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔ فلاح صرف متقی ہی پائینگے"۔

آنحضرتؐ نے اپنے آخری ایام نہایت صبر و تحمل سے گزارے اور باوجود حد درجہ کمزوری اور ناتوانی کے وفات سے تین دن قبل تک نماز کی امامت کرتے رہے۔ ایک روز آدھی رات کے وقت اپنے پرانے رفقاء کی آخری آرامگاہ کو تشریف لے گئے اور رو رو کر اُن کے لئے مغفرت کی دُعا مانگتے رہے۔ آپ نے بیماری

کے ایام میں رہائش کے لئے حضرت عائشہ رضؓ کا گھر منتخب کیا جو مسجد سے بالکل متصل تھا اور جب تک آپ میں سکت رہی جماعت کے ساتھ نماز ادا فرماتے رہے۔ آخری مرتبہ جب آپ مسجد میں تشریف لے گئے تو علیؓ اور فضل بن عباسؓ آپ کو سہارا دیئے ہوئے تھے سب نے دیکھا کہ ایک ہلکی سی مسکراہٹ آپ کے چہرے پر ظاہر تھی۔ خدائے تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد آپ نے مجمع سے اس طرح خطاب کیا: "مسلمانو! اگر میں نے تم میں سے کسی پر ظلم کیا ہے تو اس کے قصاص کے لئے میں تیار ہوں۔ اور اگر مجھے کسی کا کچھ دینا ہے تو جو کچھ میرے پاس ہے وہ تمہارا ہے۔" ایک شخص اٹھا اور تین درہموں کا مطالبہ کیا، جو اس نے آپ کے ارشاد پر ایک غریب کو دیئے تھے، یہ فوراً ادا کر دیئے گئے۔ اور فرمایا: "اس دُنیا میں شرمندگی اُٹھانا اس سے بہتر ہے کہ آخرت میں شرمندہ ہونا پڑے۔" پھر آپ نے دُعا مانگی اُن کے لئے جو موجود تھے اور اُن کے لئے جو دشمنوں کے ہاتھوں شہید ہوئے تھے۔ سب کو اعمالِ صالحہ نیکی اور صُلح کی تلقین فرمائی۔ اور قرآن کے ان الفاظ پر تقریر ختم کی: "آخرت کے گھر کو ہم نے ان لوگوں کے لئے مخصوص کر رکھا ہے، جو دُنیا میں تکبر نہیں کرتے اور نہ فساد کرتے ہیں۔ اور عقبیٰ کی جزائیں صرف پرہیزگاروں کے لئے ہیں۔"

اس کے بعد آپ مسجد میں تشریف نہ لا سکے۔ آپ کی طاقت جواب دے گئی۔ دوشنبہ کی دوپہر کے وقت ۱۲ ربیع الاول سنہ ۱۱ھ (۸ جون سنہ ۶۳۲ء) دُعا مانگتے ہوئے آپ کی رُوح جسدِ عنصری سے پرواز کر گئی اور "رفیق اعلےٰ" سے جا ملی۔

اس طرح وُہ زندگی ختم ہوئی جو ابتدا سے انتہا تک خدائے تعالےٰ اور اس کی مخلوق کی خدمت پر صرف ہوتی تھی۔ کیا ایسی آزمائشوں اور تحریصات کے درمیان دُنیا

میں ایسی زندگی کی کوئی اور بھی مثال ہے؟ کیا کوئی اور بھی ایسا ہوا ہے جو دنیا کی آگ میں اس طرح کھڑا رہ کر اس طرح صحیح و سالم نکلا ہو۔ ایک غریب واعظ عرب کا حکمران بنا، کسراؤں اور قیصروں کا ہمسر بنا، قوموں کی قسمتوں کا فیصلہ کرنے والا لیکن فروتنی وہی ہے۔ روح ویسی ہی نیک، دل ویسا ہی پاکیزہ۔ عادات میں وہی استقلال، احساسات میں وہی نرمی اور لطافت اور اس فرض کی ادائیگی میں ویسی ہی استقامت ہے جس نے اُسے الامین کا خطاب دلوایا تھا۔ وہ اپنے آپ سے بھی سختی سے محاسبہ کرتا ہے۔ ایک مرتبہ آپ مکّہ کے ایک معزز شہری سے مذہبی گفتگو میں مصروف تھے کہ ایک غریب نابینا[1] سچائی کی جستجو میں آیا۔ آپ نے اس کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ اور ملتفت نہ ہوئے۔ آپ ہمیشہ اس واقعہ کا ذکر افسوس اور پشیمانی سے کرتے رہے۔ اس پر سورہ عبس[2] نازل ہوئی۔ اس قدر پاکیزہ، رحمدل اور اس قدر شجاع ہستی، ہمارے دلوں کو نہ صرف عزت سے بلکہ محبت اور الفت سے بھر دیتی ہے۔ بزرگوں کے لئے آپ کے اخلاق و تواضع غریبوں کے لئے آپ کی مروت اور متکبروں کے لئے آپ کے پُروقار و تمکنت طرزِ عمل نے آپ کے لئے عالمگیر تعظیم و توصیف کو حاصل کیا۔ آپ کی نیک دلی آپ کے چہرے سے ظاہر

---

[1] عبداللہ بن ام مکتوم۔

[2] رسول اللہ چیں بجبیں ہوئے اور منہ پھیر لیا۔ کیونکہ ایک نابینا اُن کے پاس آیا۔ (اے پیغمبر) تم کیا جانو کہ وہی (گناہوں سے) پاک ہوجاتا یا تیری باتیں سنتا اور ان سے مستفید ہوتا۔ جو شخص دین کی طرف سے بے پروائی کرتا ہے۔ اس کی طرف تم خوب متوجہ ہوتے ہو۔ حالانکہ اگر وہ ہدایت نہ پائے تو تم پر کچھ الزام نہیں۔ اور جو شخص خدا سے ڈر کر دوڑتا ہوا تیرے پاس آیا۔ تُو نے اس سے بے اعتنائی کی۔

ہوتی تھی۔ کتابِ فطرت کا یہ عالم باوجود اُمّی ہونے کے اپنے وسیع قلب کے ساتھ جسے
رُوح کائنات کی ہمکلامی نے بلند کر دیا تھا، ایک ایسی طاقت کا مالک تھا، جو
عالم و جاہل دونوں کے دلوں کو مُسخّر کر لیتی تھی۔ اس کے چہرہ پر شکوہ و تمکنت برستی تھی اور
ذکاوت و فرزانگی جو اس سے ملنے والے ہر شخص کو جذباتِ عزت و محبت سے بھر دیتی۔
بیشتر روایات آپ کی یکتا عالی ہمتی، آپ کے احساسات کی بدرجہ غایت نرمی و لطافت
آپ کی پاکیزگی اور صداقت پر مبنی ہیں۔ آپ اپنے خدمتگاروں پر بھی بے حد
شفقت فرماتے۔ انس رضؓ کہتے ہیں۔ میں دس سال تک رسُول اللہؐ کی خدمت میں رہا
لیکن اس تمام عرصے میں آپ نے مجھے کبھی اُف تک نہیں کہا۔" آپ کو اپنے
گھر والوں سے بہت محبّت تھی۔ آپ کا ایک صاحبزادہ اپنی دایہ کے دھواں دار
گھر میں جو ایک لوہار کی بیوی تھی، آپ کی گود میں وفات پا گیا۔ آپ کو بچّوں سے
بہت محبّت تھی۔ آپ گلیوں میں راستہ چلتے ہوئے اُنہیں پیار کرنے کے لئے
ٹھہر جاتے۔ آپ نے تمام زندگی میں کسی کو نہ مارا۔ سخت ترین الفاظ جو آپ
نے کسی کے متعلق استعمال فرمائے، یہ تھے۔" اُسے کیا ہو گیا ہے۔ اُس کی پیشانی
کیچڑ سے بھر جائے۔" جب آپ سے کسی پر لعنت کرنے کے لئے کہا گیا۔ تو فرمایا
"میں لعنت کرنے نہیں آیا۔ میں انسان کی طرف رحمت لے کر آیا ہوں۔"

آپ بیمار کی عیادت کو جاتے، ہر جنازے کے ساتھ جاتے، غلاموں کی دعوت
قبُول کرتے، اپنے لباس کی خود مرمّت کرتے۔ اپنی بکریوں کو دوہتے۔ اور اپنے
سب کام خود انجام دیتے۔ آپ دوسروں کا ہاتھ اُس وقت تک نہ چھوڑتے،
جب تک وُہ خود نہ چھوڑتے، اور اس وقت تک رخصت نہ ہوتے جب تک

دوسرا رخصت نہ ہو جاتا - آپ کا ہاتھ سب سے زیادہ سخی، آپ کا سینہ سب سے زیادہ باہمت، اور آپ کی زبان سب سے زیادہ سچی تھی - آپ جس کی سرپرستی کا ذمہ لیتے، اسے وفاداری سے نباہتے - آپ کی گفتگو سب سے زیادہ شیریں ہوتی - جو لوگ آپ کو دیکھتے، آپ کی عزت کرتے، اور جو آپ سے ملتے، آپ سے محبت کرتے تھے - جو لوگ آپ کی تعریف بیان کرتے، کہتے "کہ ہم نے اس شخص کی مثال کہیں نہیں دیکھی اور نہ آئندہ دیکھنے کی اُمید ہے۔"

آپ نہایت کم گو تھے اور جب بولتے تو ٹھہر ٹھہر کر بولتے - جو سننے والے کو کبھی نہ بھولتا - آپ کی طبیعت کا حیا اور رحم، صبر اور انکسار ملنے والوں کی محبت کو مضبوط تر کر دیتا - آپ مصیبت زدوں سے ہمدردی کرتے - قحط سالی میں بھی اپنی خوراک دوسروں سے مل کر کھاتے - اور ہر شخص کی تکالیف کو رفع کرنے کے لئے ہر وقت تیار رہتے - آپ ادنیٰ ترین لوگوں کے دُکھ سننے کے لئے گلیوں میں ٹھہر جاتے اور ان کے غم اور مصیبت کے وقت انہیں تسلی و تشفی دینے کے لئے ان کے گھروں میں جاتے - ادنیٰ ترین غلام آپ کو ہاتھ پکڑ کر کھینچ لے جاتے تاکہ آپ ان کے آقاؤں سے بدسلوکی کی تلافی کرائیں یا آزادی حاصل کر دیں - کھانے پر بیٹھتے وقت آپ ہمیشہ دُعا مانگتے اور ختم کرنے کے بعد شکر ادا کرتے - آپ کا وقت باقاعدہ تقسیم ہو چکا تھا - دن کے وقت نماز سے فارغ ہو کر آپ آنے والوں سے ملنے اور دُنیاوی کاموں کو انجام دیتے - رات کے وقت بہت کم سوتے اور زیادہ وقت عبادت پر صرف کرتے - آپ غریبوں سے محبت کرتے اور اُن کی عزت کرتے - وہ لوگ جن کا اپنا کوئی گھر بار نہ تھا رات کے وقت مسجد میں سوتے جو آپ کے مکان سے

ملحق تھی - ہر رات آپ اپنے غریبانہ کھانے پر ان میں سے چند کو شریک کر لیتے باقی لوگ آپ کے ذی مقدرت اصحاب کے مہمان ہوتے - آپ اپنے بدترین دشمنوں کے ساتھ بھی نرمی اور تحمل سے پیش آتے - آپ حکومت کے دشمنوں سے سختی سے محاسبہ کرتے - لیکن اپنی ذات پر جو ظلم و ستم آپ نے برداشت کئے - انہیں اپنے عروج و فتح کے وقت جو انسان کی آزمائش کا نازک لمحہ ہوتا ہے - بالکل بھلا دیا - اور اپنے بدترین دشمنوں کو عفوِ عام عطا فرمایا - آنحضرت کے متعلق مسٹر پول کا بیان اس قدر خوبصورت ہے اور پھر بھی حقیقت پر اس قدر مبنی کہ میں اُسے درج کئے بغیر نہیں رہ سکتا -

" اس شخص میں کوئی چیز بے انتہا نرم اور لطیف ہونے کے باوجود اس قدر شجاعانہ ہے - اور دِل اُس کی عزت و حمیت سے اس قدر پُر ہو جاتا ہے - کہ انسان کی رائے کورانہ ٹھوکریں کھاتی رہ جاتی ہے - وہ شخص جو تن تنہا سالہا سال تک اپنی قوم کے جور و ستم مردانہ وار برداشت کرتا رہا - وہی ہے جو کبھی دُوسرے کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ نکالنے میں سبقت نہیں کرتا - وہ وہی بچّوں کا محبوب ہے - جو اُن کے پاس سے اپنی حیرت انگیز آنکھوں کے ایک لطیف تبسّم یا ایک شیریں کلمے کے بغیر نہیں گزرتا - جسے اس کی سُریلی آواز شیریں تر بنا دیتی ہے - اس کی مخلصانہ دوستی اس کی بلند پایہ سخاوت، اس کی بے نظیر شجاعت نکتہ چینی کو خود بخود تعریف میں بدل دیتی ہے "

"وہ ایک جوشیلا انسان تھا، جوش ان باعظمت معنوں میں جب کہ وہ زمین کے نمک کا کام دے، اور زندہ انسانوں کو گلنے سڑنے سے بچا لے - جوش عموماً عداوتوں کے لئے استعمال کیا جاتا ہے - اور ایک ایسا بُرا بیج ہے جو بُرے مقصد کے ساتھ بنجر زمین میں ڈالا جاتا ہے اس لئے بار آور نہیں ہوتا - لیکن محمد (صلعم) کے متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا - اس نے جوش کو اس وقت استعمال کیا جس وقت جوش ہی ایک ایسی چیز تھی، جو دُنیا کو بیدار کر سکتی تھی) - اور اس کا جوش ایک شریفانہ مقصد کے لئے تھا - وہ ان چند خوش قسمت ہستیوں میں سے تھا - جنہوں نے اپنی زندگیوں کو کسی عظیم الشان صداقت کے اظہار پر صرف کر دیا - وُہ خدا کا پیغام بر تھا اور زندگی کے آخری لمحات تک وُہ اس بات کو نہ بھُولا، اور نہ اس پیغام کو بھُولا جو اس کے سپُرد کیا گیا تھا - لوگوں کو بشارات دیتے وقت اُسے اپنے بلند و بالا مرتبے کا پُورا احساس تھا - لیکن وُہ اِس عجز و انکسار کو کبھی نہ بھُولا - جس کی متقاضی اس کی بشریت تھی۔"

آپ کی عادات حد درجہ سادہ تھیں - آپ کی طرزِ زندگی، آپ کا لباس اور گھر کا سامان آخر وقت تک سادگی کا نمونہ رہے - ابوہریرہ رض کا بیان ہے کہ کئی کئی وقت آپ فاقہ سے رہے - اکثر کھجوروں اور پانی پر آپ کا گزارہ ہوتا - غربت کی وجہ سے اکثر مہینوں آپ کے گھر آگ نہ جلتی - مسلمان مؤرخ لکھتا ہے کہ بیشک خدا نے خزائنِ ارضی کی چابیاں آپ کے سامنے رکھ دیں -

لیکن آپ نے لینے سے انکار کر دیا۔

دُنیا کے اس ہادیٔ اعظم کا دماغ اپنی ذہانت اور اپنے ترقی کرنے والے اعیان کی وجہ سے نہایت جدید واقع ہوا تھا۔ اُس کی تعلیم میں مسلسل جد وجہد انسانی زندگی کی ایک اشد ضرورت تھی۔ لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی اور اَلسَّعْیُ مِنِّیْ وَالْاِتْمَامُ مِنَ اللہِ پر اس کا ایمان تھا۔ جس دُنیا کا علم اُس نے سکھایا، وہ ایک ایسی تخلیق تھی جس میں حُسنِ تنظیم کا عمل تھا اور جس کی رہنمائی آسمان کی وُہ بالاتر طاقت کرتی تھی۔ جو تمام کائنات پر چھائی ہوئی ہے۔ اور جس میں بمضمونِ کُلُّ اَمْرٍ مَرْهُوْنٌ بِاَوْقَاتِهَا ہر کام اپنے وقت پر انجام پاتا تھا۔ لیکن اس کے باوجود انسانی ارادہ اپنی نجات کے حصُول کے لئے آزاد تھا۔ اس کی ہمدردی عالمگیر تھی۔ اُسی نے بتایا کہ خالق کا رحم و کرم اپنی مخلوق کے لئے عام ہے۔ اُسی نے کہا کہ ایک انسانی جان کو بچانا بھی ایسا ہی ہے جیسے ساری نوعِ انسان کی حفاظت کی گئی۔

اُس کا معاشرتی تصوّر تعمیری تھا، تخریبی نہیں۔ انتہا درجے کی رُوحانی کیفیت کے وقت بھی وہ ازدواجی زندگی کے احترام سے غافل نہ ہوتا تھا۔ اُس کے نزدیک خدمتِ خلق ہی بہترین عبادت تھی۔ مسلمانوں کو وُہ یہ تلقین نہیں کرتا تھا۔ کہ وہ اُن لوگوں کو چھوڑ دیں۔ جن کے فرائض اُن پر عائد ہوتے ہیں۔ بلکہ یہ کہتا تھا کہ اپنے فرائض ادا کر کے مرتبہ اور اجر حاصل کرو۔ بچّے اس کے نزدیک خدا کی امانت تھے جنہیں محبت و شفقت سے پالنے کا حُکم تھا، اور والدین کے حقوق عزت و احترام تھے۔ حقوق و فرائض کے دائرے میں رشتہ دار ہمسائے

اور غربا و مساکین سبھی آجاتے تھے۔

چودہ صدیاں گزر گئی ہیں، جب اُس نے اپنا پیغام سُنایا تھا۔ لیکن امتدادِ زمانہ اُس عزت و احترام میں رخنہ اندازی نہیں کر سکا۔ جو مسلمانوں کے قلوب میں اِس محترم ہستی کے لئے موجود تھا۔ چنانچہ آج بھی اُسی طرح مسلمانوں کے دلوں میں اور اُن کی زبان پر یہ نہ بھولنے والے الفاظ جاری ہیں:۔

روحی فداك یارسول اللہ

سیرتِ اقبال علیہ رحمۃ اللہ

مصنفہ

پروفیسر محمد طاہر فاروقی ایم اے۔ لیکچرار فارسی و اردو آگرہ کالج آگرہ

علامہ اقبال ملک کے سچے راہنما تھے ان کی زندگی ہمارے لئے مشعلِ راہ ثابت ہو سکتی ہے اس شاعرِ ربانی، فقید المثال اور عدیم النظیر ہمدردِ بنی نوعِ انسان کی تعلیمات اور سیرت پر کوئی بلند پایہ تصنیف اب تک شائع نہیں ہوئی تھی۔ ہماری کتاب نے اس نقصان کی تلافی کر دی ہے۔

کتاب کی ابتدا میں علامہ اقبال کے سوانح حیات بتفصیل درج کئے ہیں۔ پھر آپ کی شاعری کے مختلف دورِ تخیل کے تدریجی ارتقا اور تصانیف پر ادبی و تنقیدی حیثیت سے تبصرہ کر کے علامہ کے شاعرانہ رتبہ اور مقبولیت پر بحث کی گئی ہے۔ پھر علامہ کا پیغام جو تمام دنیا کے نام ہے بیان کیا گیا ہے۔ آخیر میں مذہبی، سیاسی اور معاشرتی مسائل پر علامہ کے نظریات نہایت تفصیل سے پیش کئے ہیں۔

جناب خان بہادر اختر عادل صاحب ایم اے۔ ایل ایل بی۔ ایم ایل اے۔ نائب شیخ الجامعہ، جامعہ اردو آگرہ ۹ اکتوبر ۱۹۴۰ء کو تحریر فرماتے ہیں:۔

"پروفیسر فاروقی کی سیرت اقبال میری رائے میں حضرت علامہ کی سیرت اور کلام پر یکتا اور منفرد ذمہ دارانہ تصنیف ہے۔ یہ کتاب حضرت علامہ کے کلام کے صحیح مفہوم اور مقصد کو اقبالیات کا مطالعہ کرنے والوں کے سامنے پیش کرتی ہے۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ اقبالیات سے ذوق رکھنے والوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ کلامِ اقبال کا مطالعہ کرنے سے پہلے اس کتاب کو پڑھیں۔ میں حضرتِ مصنف کو اس بیمثل تصنیف پر مبارکباد دیتا ہوں۔"

لکھائی چھپائی کاغذ عمدہ۔ سائز ۲۷×۱۷/۸ حجم تقریباً ۴۰۰ صفحات۔ (بارِ دوم) قیمت مجلد للعہ ۱۲/

ٹیپو سلطانؒ

مرتّبہ

عبداللہ بٹ بی اے (آنرز)

سلطان ٹیپوؒ ایسے وقت میں پیدا ہوا جبکہ اسلامی اقتدار ہندوستان میں بتدریج فنا ہو رہا تھا اور ایک بیرونی قوم کا استیلا آہستہ آہستہ مستقل اور مکمل ہو رہا تھا۔ سلطان حیدر علی کی دور اندیش نگاہوں نے اس وقت اس خطرہ کو محسوس کر لیا جس کی تکمیل غدر ۱۸۵۷ء کے بعد ہوئی۔ باپ بیٹوں نے وطن کے سچے پرستاروں کی طرح اپنے عزیز وطن کو اغیار کی غلامی سے چھڑانے کا عزم بالجزم کر لیا۔ حیدر علی نے آخر کار اس کشاکش پیہم کو اپنے فرزند کے سپرد کر کے سفر آخرت اختیار کیا۔ باپ کی جدوجہد کو بیٹے نے جاری رکھا۔ چنانچہ ۱۷۸۲ء میں جب سلطان ٹیپو سریر آرائے مسند ہوا، انگریزوں سے جنگ جاری تھی۔ تخت پر بیٹھتے ہی انہوں نے اس جنگ کو شدت سے جاری کر دیا۔ لیکن سلطان ٹیپو نے دکھلا دیا کہ اس گئے گزرے زمانے میں بھی مسلمانوں کی قوم ایسے شیر دل بہادر پیدا کر سکتی ہے۔ اس نے دکھلا دیا کہ مسلمان اگر اپنے مذہب پر جان دے سکتا ہے تو اپنے وطن پر بھی ویسی ہی خوشی سے متاعِ زندگی قربان کر سکتا ہے۔

اس کتاب میں اسی جلیل القدر ہستی کے حالاتِ زندگی نہایت شرح و بسط اور صحیح تحقیق اور کاوش سے لکھے گئے ہیں۔ ملک بھر کے بہترین مقالہ نگاروں اور مشاہیر نے اس کتاب کو مکمل کرنے میں پورا پورا حصہ لیا ہے۔ پہلا ایڈیشن ہاتھوں ہاتھ ختم ہو گیا۔ اب دوسرا ایڈیشن شائع ہوا ہے۔ حجم ڈھائی سو صفحات۔ خوبصورت جلد۔ بہترین لکھائی چھپائی اور کاغذ۔ قیمت صرف عہ

قومی کتب خانہ ریلوے روڈ لاہور سے طلب فرمائیے